- نام کتاب ——— "والقلم"
- شاعر ——— ڈاکٹر پیام اعظمی
- کتابت ——— حسن اختر
- سنہ طباعت ——— جنوری سنہ ۱۹۹۴ء
- پہلا ایڈیشن ——— ایک ہزار
- ناشر ——— تنظیم المکاتب گولہ گنج۔ لکھنؤ (انڈیا)
- مطبوعہ ——— جے، کے پریس۔ دہلی
- صفحات ——— 520
- قیمت ——— /100

ملنے کے پتے:

- دفتر تنظیم المکاتب۔ گولہ گنج لکھنؤ
- جامعہ انوار العلوم۔ مرزا غالب روڈ۔ الہ آباد
- مولانا سید انیس الحسن صاحب قبلہ A1 نوشوکت سوسائٹی ۱۹ نوروجی ہل روڈ، ڈونگری بمبئی
- مولانا محمد علی آصف صاحب قبلہ، غازی پور ڈاکخانہ گوگوان ضلع مظفر نگر
- جناب غلام علی گلزار صاحب، حسن آباد رعنا واری۔ سرینگر۔ کشمیر

بنام
خدائے
رحمٰن
و
رحیم ؏

فہرست

منظومات

قصائد و منقبت

قطعات

تعزیتی نظمیں

باسمہٖ سُبحانہٗ

عرضِ تنظیم

نباضِ ادب، شاعرِ تنظیم جناب ڈاکٹر پیام اعظمی صاحب کے قصائد و منظومات کا مجموعہ "وَالْقَلَم" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ میں نے جب سے آنکھیں کھولیں انھیں ہمیشہ ماموں جان مرحوم (بانیٔ تنظیم طاب ثراہ) کے ساتھ دیکھا۔ وہ صدرِ ادارہ علاّمہ جوادی مدظلہ، کے مخلص دوستوں میں شامل ہیں۔ ہم سب گھر کے ایک بزرگ کی طرح ان کا احترام کرتے ہیں اور خاندان کے ایک فرد کی طرح ان سے محبت کرتے ہیں۔

میں نے منزلِ شعور میں آنے سے قبل بھی محفلوں میں پیام صاحب کو رونقِ محفل بنتے دیکھا۔ ان کے اشعار پر مجمع کو بے تاب ہو کر تعریف کرتے دیکھا۔ پھر جب باشعور ہوا تو صرف انھیں کے اشعار مجھے متاثر کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام پر ناقدانہ نظر ڈالنا میرے لیے ناممکن ہے۔

یہ غیر جانبدار اربابِ نظر کا کام ہے کہ ان کے اشعار کی قدر و قیمت معین کریں۔ میں بس اتنا جانتا ہوں کہ مدح محمد و آل محمد علیہم السّلام میں ان کے اشعار زبان زد ہو چکے ہیں اور عوام و خواص دونوں حلقوں میں مقبول ہیں۔ ان کے اشعار کی بازگشت دوسرے معاصرین کے کلام میں بھی سُنائی دیتی ہے۔ عرصہ ہوا وہ ملک کی سرحدیں پار کر کے عالمی مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ محفلوں اور مجلسوں میں ان کا کلام

سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے اور ایّامِ عزا میں متعدد انجمنیں ان کے لکھے ہوئے مسدّس
سلام اور نوحے حاصل کرنے کے لیے بے چین رہتی ہیں۔

والقلم کو ادارہ اپنے نشریات میں اس لئے شامل کر رہا ہے کہ تحریک
دینداری سے وابستہ شعرا میں ان کا نام سرِفہرست ہے۔ وہ اس راستہ پر سب سے پہلے
چلے تھے، بہت پہلے چلے تھے اور آج بھی ان کا سفر تیز رفتاری سے جاری ہے
ان کی تعمیری فکر اور اصلاحی اشعار ادارہ [illegible] ہم آہنگ اور اس کے مقاصد
کی نمائندگی کرتے ہیں۔ کبھی کبھی تو ان کا ایک شعر دل و دماغ پر وہ اثر چھوڑتا ہے
مقرر کی طویل تقریر سے نہیں پیدا ہوتا۔

پیام صاحب کے مرثیوں کے مجموعے کی کتابت بھی شروع ہو چکی ہے۔
انشاءاللہ مستقبل میں ادارہ یہ خدمت انجام دے گا۔

اللہ ان کی اور ادارہ کی اس خدمت کو قبول فرمائے۔

والسّلام

سیّد صفی حیدر
سکریٹری تنظیم المکاتب۔ لکھنؤ
(ہندوستان)

بسمہٖ سبحانہٗ

تأثرات

ایک زمانہ تھا جب شعر کے حسن کو جھوٹ کے فیتے سے ناپا جاتا تھا اور بہترین
شعر وہ سمجھا جاتا تھا جس میں مبالغہ آرائی اور غلط بیانی کے علاوہ کچھ نہ ہو۔

شاعر کا کمال بھی یہ تھا کہ الفاظ کو حسین بندش میں گرفتار کر کے سامعین
کے حوالے کر دے اور پھر سامعین محترم یا شارحین کرام اس کے معنی تلاش کریں اور
حتیٰ الامکان ایک ایک شعر میں کئی کئی معانی پیدا کر دیں جن کا تصوّر شاید شاعر کو بھی نہ
رہا ہو اور جو اس کے حاشیۂ خیال کے قریب سے بھی نہ گزرے ہوں۔

بعض شعرا اپنی بے دینی ہی کو اپنے فنِ شعر کا کمال تصوّر کرتے تھے اور سب سے
بڑا شاعر وہ تھا جس نے شعر کو فکر کے پیمانہ سے نہیں بلکہ شراب کے مٹکے سے
نکالا ہو۔ البتہ بعض مقدس، متدیّن، صاحبِ فہم و ادراک اور اربابِ فکر و نظر شعراء
ہر دور میں تھے لیکن ان کی قدر و قیمت محدود تھی اور انھیں صرف مذہبی اجتماعات
میں جگہ دی جاتی تھی۔

یہ مرثیہ نگار شعراء کا کمال تھا کہ انھوں نے اس مذہبی صنفِ سخن کو ادبی دنیا

میں جگہ دلوائی اور اہلِ نظر کو تسلیم کرنا پڑا کہ مرثیہ بھی ادبیات کا ایک حصّہ ہے۔
یہ اور بات ہے کہ اس دوڑ میں شامل ہونے کے لئے انھیں بھی اپنے مقدس دائرہ سے
باہر نکلنا پڑا، اور کسی معنی میں سہی بہار اور ساقی نامہ کو مرثیہ کا جزو بنانا پڑا کہ جس کے بغیر
اس مقابلہ میں شرکت ممکن نہ تھی۔

زمانہ کروٹیں بدلتا رہا اور قدریں تبدیل ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ ریاست و
درباداری کے بعد اشتراکیت کا دَور آیا اور دیکھتے دیکھتے یہ بساط بھی لپٹ گئی۔
مختلف ممالک میں مذہبی تحریکات شروع ہوئیں، ایران میں اسلامی انقلاب
آیا اور مذہبی افکار کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ ادب خرافات کی دُنیا سے نکل کر
تہذیب کی دُنیا میں آیا اور شعر و سخن کو ذہنی عیاشی کے بجائے فکری بیداری کا وسیلہ
بننے کا شرف حاصل ہوگیا۔

حضرت پیامؔ اعظمی اس دور کے شاعر اور اسی اندازِ فکر کے نقیب ہیں۔
وہ شعر کہہ کر سامع کے حوالے نہیں کرتے ہیں بلکہ شعر کے ذریعہ فکر کو سامع کے ذہن
تک منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے اشعار لفظی بازیگری نہیں بلکہ فکری بیداری
ہوتے ہیں۔ ان کی نگاہ میں کمالِ شاعر بے دینی نہیں بلکہ دینداری ہے۔ انھوں نے
مختلف اصنافِ سخن کو پرانے ڈھانچوں میں پیش کرنے کے بجائے نئے سانچے بنانے
کا عمل انجام دیا ہے۔

میں نے سب سے پہلے انھیں فیض آباد میں وثیقہ کالج کی ایک محفل میں
سُنا اور اشعار اور شخصیت کے تناسب پر تا دیر غور کرتا رہا۔ اس کے بعد موصوف کو

الہ آباد کی ایک محفل میں ایک معروف شاعر اپنے ہمراہ لے آئے اور نتیجہ میں انھیں
پچھتانا پڑا کہ ایسے شاعر کو کیوں ساتھ لے آئے جس نے محفل میں ان کی شخصیت
کو تحت الشعاع میں قرار دے دیا۔ اور پھر پیامؔ اعظمی عظیم محفلوں کی ضرورت بن گئے
اور وہ محفل ناتمام تصوّر کی جانے لگی جس میں پیامؔ اعظمی کی شرکت نہ ہو۔
الہ آباد کی محفلِ نور اور پھر شبِ نور میں پیامؔ اعظمی کے قصائد کی دھمک سال بھر
تک ذہنوں میں باقی رہتی تھی اور پھر انھیں محفلوں کی برکت تھی کہ خطیبِ اعظم مرحوم نے
انھیں تنظیم المکاتب کی دینی کانفرنسوں میں مدعو کرنا شروع کیا اور انھوں نے اپنی فکر انگیز
شاعری سے قوم کے ذہنوں کو جھنجھوڑنا شروع کر دیا اور دھیرے دھیرے شاعرِ تنظیم کے
نام سے موسوم ہوگئے۔

پیامؔ صاحب کے بعض اشعار کو مثال میں پیش کرنا اس بات کا اعتراف ہوگا
کہ ان کے کلام میں "بعض" اشعار نمونہ کے طور پر پیش کرنے کے قابل ہیں۔ حالانکہ حقیقتِ امر
یہ ہے کہ ان کے ہر شعر کو یہ امتیاز حاصل ہے اور دورِ حاضر میں شاید ہی کوئی شاعر
ایسا ہوگا جس کے اتنے اشعار بطور مثل یا بطور مثال پیش کیے جاتے ہوں جتنے
اشعار حضرت پیامؔ اعظمی کے بطور ضرب المثل پیش کیے جاتے ہیں۔
انھوں نے ہر میدانِ سخن میں فکر کو الفاظ پر مقدم رکھا ہے اور پھر سوچنے
کے بعد کہنے کی کوشش کی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ان کے کلام میں خطباء
نکاتِ بیان تلاش کر سکتے ہیں اور شعراء اندازِ ترسیل۔
وہ بیک وقت بہترین شاعر بھی ہیں اور بہترین مفکر بھی۔ ادھر ایک عرصہ سے

انھوں نے اپنے شعری کام کو روک کر نثری کام شروع کر دیا ہے اور اس میں بھی وہی فکر انگیزی کا انداز برقرار رکھا ہے جو عام طور سے دَورِ حاضر کے مضمون نگاروں میں عنقا ہوتا جا رہا ہے۔

ضرورت تھی کہ موصوف کے کلام پر تفصیلی تبصرہ کیا جائے اور اس کے امتیازات کی نشاندہی کی جائے لیکن سر دست اس کا امکان نہیں ہے لہٰذا صرف ادائے واجب پر اکتفا کی جاتی ہے اور افرادِ قوم سے اُمّید کی جاتی ہے کہ وہ اس مجموعے سے مکمل طور پر استفادہ کریں گے اور اس کی بقدرِ استحقاق قدردانی کریں گے۔

والسّلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

جوادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شاعری اور میں

شاعری ایک جوہرِ ملکوتی اور عطیۂ ربّانی ہے اور ایسا مُفید، مُقدّس اور آفاقی ذریعۂ اظہار ہے جس کی تاریخ بلالحاظِ زمان و مکان ہر انسانی معاشرے سے جُڑی ہوئی ہے تاریخِ ادبیاتِ عالم گواہ ہے کہ نثر نے ہمیشہ نظم کی انگلی تھام کے چلنا سیکھا ہے۔

شاعری انسان کے دُکھی اور زخمی احساسات پر مرہم رکھتی ہے۔ مادّیات کی دوڑ میں شاعری انسان کے باطنی وجود کو ٹوٹنے اور بکھرنے سے بچاتی ہے۔

تاریخ جب حکومتوں کے دباؤ میں آکر جھوٹ بولنے لگتی ہے تو شاعری ہی شاہدِ حق کو بادہ و ساغر اور تیر و نشتر کے پردے میں لپیٹ کر ایک نسل کے بعد دوسری نسل کے حوالے کرتی ہے۔

شاعری کاروانِ حیات کے آگے بھی چلتی ہے اور پیچھے بھی ـــــ آگے آگے چل کے مستقبل کی نشاندہی کرتی ہے اور پیچھے پیچھے چل کے ماضی کے اندھیرے میں کھو جانے والے لطیف اور نازک جذبات کے خزانے کو اپنے دامن میں سمیٹ کے انھیں محفوظ کر لیتی ہے۔

شاعری سوز کو زمزمہ ساز اور لبِ خاموش کو آواز عطا کرتی ہے۔ ناگفتنی کو گفتنی بناتی ہے اور تشبیہوں، علامتوں اور کنایوں کے ذریعہ ان کہی باتوں کو کہنے کا ڈھب

جاسکتی ہے۔

شاعری ظلم و جور، استعمار و استحصال کے خلاف ہمیشہ سینہ سپر رہی ہے، وہ نہ تخت و تاج سے خوف زدہ ہوتی ہے نہ جبہ و دستار سے مرعوب۔ شاعری ہمیشہ سماج کو نقصان پہونچانے والے عناصر کی نقاب کُشائی کرتی رہی ہے۔

شاعر معاشرے کے سب سے زیادہ باشعور اور حساس طبقے سے تعلق رکھتا ہے اور ظہور پذیر ہونے والے واقعات سے سب سے زیادہ متاثر بھی ہوتا ہے اور متاثر کرتا بھی ہے ــــ قومیں اپنے شاعر کی آنکھ سے دیکھتی اور اس کی زبان سے بولتی ہیں۔

شاعر، کوتاہ نظر افراد کے لئے رائی کو پربت بنا کے پیش کرتا ہے اور مُبالغے سے "مائکرو اسکوپ" کا کام لیتا ہے تاکہ سچائیاں نظر انداز نہ ہونے پائیں ــــ مگر ساتھ ہی ساتھ وہ فرزدق کی طرح اموی طاقت کے پھولے ہوئے غبارے کی ہوا نکال کر اسے چھوٹا بھی کر دیتا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ اکثر اشعار نے دلوں میں شجاعت اور بہادری کے جذبات اُبھار کے قوموں کو ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیا ہے اور اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کبھی کبھی ایک شعر اثر و نفوذ میں نثر کی موٹی موٹی کتابوں سے زیادہ کام کر جاتا ہے۔

یقیناً شاعری معاشرے کی گمراہی کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔ مگر یہ بات شاعری ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ انسان کی ہر صلاحیت کو جب سُوء استفادہ کا ذریعہ بنا دیا جاتا ہے اور اس سے غلط کام لیا جاتا ہے تو وہ انسانیت کے لیے نقصان دہ ہو جاتی ہے اور پھر جو چیز جتنی زیادہ مفید ہوگی اس کا سُوء استعمال اتنا ہی زیادہ مضر اثرات پیدا کرے گا۔

یہ کہنا کہ قرآن فی نفسہ شاعری کی مذمت اور شعراء کی ملامت کرتا ہے، ناواقفیت

کا ثبوت ہے۔

پیغمبر اسلامؐ کی ذاتِ اقدس سے شاعری کی "نفی" کی گئی ہے مگر یہ نفی بالکل ویسی ہی ہے جیسے بغیرِ وحی "گفتگو کی نفی کی گئی ہے ــــ اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں ہے کہ شاعری کوئی بُری اور قابلِ مذمت شئے ہے۔

پیغمبرؐ خدا کا شاعر نہ ہونا اس لیے ضروری تھا کہ وحی خدا اور شاعری میں التباس نہ ہونے پائے ورنہ دنیا کلام الٰہی کو بھی پیغمبرؐ کی قوتِ متخیلہ کا کارنامہ سمجھ لیتی اس لیے قرآن نے وضاحت کر دی ــــ وما علمناه الشعر.....

یعنی خطِ شاعری اور چیز ہے اور خطِ پیغمبری اور چیز ہے، دونوں میں کوئی ربط نہیں شاعر اپنے خیالات کی وادیوں میں سرگرداں پھرتا ہے، ردیف و قافیہ کی تلاش میں چکر لگاتا ہے اور قوتِ تخیّل کے سہارے کسی شعر کو تشکیل دیتا ہے۔ اس کے برخلاف پیغمبر لفظ بہ لفظ پیغامِ الٰہی فرشتے کے ذریعہ حاصل کر کے جامعہ انسانی کے حوالے کر دیتا ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس طرح ہم قرآن کو "شعر" سے تعبیر نہیں کر سکتے اسی طرح اسے نثر نگاری کا کوئی نمونہ بھی نہیں کہہ سکتے۔ قرآن نہ نظم ہے نہ نثر، وہ بس کلامِ خدا ہے، انسان کے بنائے ہوئے اصناف کے خانوں میں اسے محدود نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی بلندی تک نہ نظم پہونچتی ہے نہ نثر۔ نظم کی ساری خوبیاں اور نثر کی تمام اچھائیاں اپنے نقطہ کمال پر پہونچ کے بھی قرآن کی گرد نہیں پا سکتیں۔ قرآن کی ایک آیت کا بھی جواب نہ نثر میں ممکن ہے نہ نظم میں۔

چونکہ کفّار قریش اب تک اشعار کے علاوہ کسی ایسے کلام سے واقف نہیں تھے جو دلوں کو جھنجھوڑ دینے کی صلاحیت رکھتا ہو اور جس کا آہنگ روح کی گہرائیوں میں اتر جائے۔ مگر جب قرآن میں فوق العادۃ طور پر یہ تاثیر دیکھی اور وہ دل و دماغ میں

انقلاب پیدا کرنے لگا تو وہ اسے "شعر" کہنے لگے۔ اگر پیغمبر اسلامؐ نے زندگی کے
کسی حصے میں شعر کہا ہوتا تو کفار کی تردید مشکل ہو جاتی۔

مگر دوسری طرف مولائے کائناتؑ سے لے کر امام آخرؑ تک تمام معصومینؑ شعر
کہتے بھی رہے اور پڑھتے بھی رہے۔ جس طرح پیغمبر اسلام کا شعر نہ کہنا مرضیٔ خدا کے عین
مطابق تھا اسی طرح دوسرے معصومین کا شعر کہنا بھی مرضیٔ خدا کے عین مطابق ہے۔

معصومین کے اشعار، مخدراتِ عصمت کے نوحے، شہدائے کربلا کے رجز ـــــ
شعراء کی ہمت افزائی اور ان کو شعر گوئی پر مامور کرنے والی بے شمار حدیثیں، شعراء کی عظمت
ظاہر کرنے والے معصومین کے ارشادات کیا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ با مقصد اور تعمیری
شاعری، ایک عظیم عبادت، دینی فریضہ اور اتباعِ معصوم ہے جو زندگی کے کسی لمحے میں نہ مکروہ ہو سکتی
ہے نہ ناجائز۔

معصومین کی پشت پناہی جس قدر شعراء کو حاصل رہی کسی کو نہ مل سکی۔ ادب و زبان کی
کوئی صنف، عظمت و جلالت میں با مقصد شاعری کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے۔

قرآن و حدیث کے علاوہ اگر معصوم نے کسی کلام کو یاد رکھنے کا حکم دیا ہے تو وہ صرف
اشعار ہیں۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

یا معشر الشیعة علموا اولادکم شعر العبدی

"ہمارے شیعوں کو چاہیے کہ اپنی اولاد کو عبدی کے شعر کی تعلیم دیں۔"

پیغمبر اسلام نے "جبرئیل معک" کی خبر شاعر کو ہی دی ہے۔ "من انشد
شعراً فی الحسین فله الجنة" شاعر ہی کے لئے کہا گیا ہے اور ہر بیت پر "بیتاً
فی الجنة" کی بشارت شاعر ہی کو دی گئی ہے۔ اس لیے اللہ اگر کسی کو ذکر محمدؐ و آل محمدؐ
میں چند شعر لکھنے کی توفیق عطا کر دے تو صرف اسے نہیں بلکہ اس کی آنے والی نسلوں

کو بھی فخر کرنا چاہیے۔

مگر اللہ کی دی ہوئی تمام صلاحیتوں کی طرح یہ صلاحیت بھی کبھی حق کے راستے پر اپنے
قدم آگے بڑھاتی ہے کبھی باطل کے راستے پر، کبھی دنیا و آخرت کی فلاح کا ذریعہ بنتی
ہے تو کبھی ضلالت و گمراہی کا سبب ـــــ قرآن نے با مقصد شاعری کو گمراہ کن شاعری
سے واضح طور پر الگ کر دیا ہے۔ سورۂ شعراء میں ـــ وَ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ
کے بعد اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ انْتَصَرُوْا
مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا (وہ لوگ نہیں جو صاحبِ ایمان ہیں، عمل صالح انجام دیتے ہیں،
کثرت سے ذکرِ خدا کرتے ہیں اور (اپنے اشعار سے) ظلم کا مقابلہ کرتے ہیں) کہہ کے وضاحت
کر دی گئی ہے

اس طرح قرآن نے قابلِ مدح اور قابلِ ستائش شاعری کے لئے چار صفتیں
بیان کر دی ہیں (۱) ایمان (۲) عمل صالح (۳) ذکر خدا (۴) ظلم سے مقابلہ ـــــ اگر
کسی شاعری کی بنیاد ان چار صفتوں پر ہے تو وہ اسلامی شاعری ہے ورنہ نہیں۔ یہی وہ
معیار ہیں جن کی روشنی میں شاعری کی قدر و قیمت طے کی جا سکتی ہے اور فن کی عظمت و بلندی
کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

فکر و فن کے موضوع پر لکھی جانے والی ہزاروں کتابیں، تمام تنقیدی نظریات، ابلاغ
و ترسیل کے سلسلے میں کی جانے والی ساری موشگافیاں اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ کیا کہا جائے
اور کیسے کہا جائے؟ اس کا سیدھا سادا جواب یہ ہے کہ وہ کہا جائے جو اللہ کو پسند ہو اور
اس طرح کہا جائے کہ اللہ کے بندے اسے آسانی سے سمجھ لیں۔ یعنی اسلام "ادب برائے
بندگی" کا قائل ہے۔

زبان و بیان کے تمام قاعدے اور فکر و فن کے تمام مسلمات اسی وقت تک قابل احترام

ہیں جب تک وہ مذکورہ اصولوں سے ہم آہنگ ہیں ورنہ نہیں ۔ اساتذہ کے بنائے ہوئے عروضی قوانین اگر اظہار و ابلاغ کے مرحلے میں معاونت کرتے ہیں تو ان کی اہمیت سے انکار نہیں ورنہ ان کا استعمال نہ واجب ہے نہ مستحب ، اور ان کا ترک نہ جرم ہے نہ گناہ ۔

قیامت میں نہ "شتر گربہ" کے بارے میں سوال ہوگا نہ "شاگان" کے بارے میں پوچھا جائے گا نہ ایطاء خفی کی سزا ملے گی نہ ایطاء جلی کی ـــــ مگر ایمان و عمل صالح کا فقدان، ذکر خدا کی کمی اور مومنین کے دفاع میں کوتاہی کی صورت میں شاعر کی ساری فن کاریاں اور صنعتیں بھی اسے بچا نہیں سکتیں ۔

زبان، پہاڑوں کی طرح منجمد شے نہیں بلکہ دریاؤں کی طرح رواں دواں حقیقت کا نام ہے ۔ روزانہ نہ جانے کتنے پرانے الفاظ مرتے رہتے ہیں اور نئے الفاظ پیدا ہوجاتے ہیں ۔ پرانی تشبیہات ، استعاروں ، علامتوں کی جگہ نئے اور تازہ دم تشبیہات ، استعارے اور علامتیں لے لیتی ہیں ـــــ اردو زبان اپنی کم عمری کی وجہ سے اس ٹوٹ پھوٹ سے زیادہ دوچار ہے اس لیے اشعار کی صحت اور عدم صحت کی "سند" اساتذہ نہیں بلکہ عوام ہیں یعنی اگر ترسیل کامیاب ہے تو شعر صحیح ہے ورنہ غلط ۔

یہ کہنا کہ مذہب بڑا ادب پیش کرنے سے قاصر ہے یا شاعری مذہبی پابندیوں کو برداشت نہیں کرسکتی اور مذہبی شکنجے میں دب کے اس کی روح نکل جاتی ہے ۔ بالکل مہمل بات ہے ـــــ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی ہر اچھی شاعری پر کہیں نہ کہیں مذہب کی پرچھائیں ضرور پڑی ہوتی ہے ـــــ مولانا روم اور شیخ سعدی ، انیس اور اقبال کی عظمت اس بات کا ثبوت ہے کہ مذہبی شاعری بے دین شاعری کے مقابلے میں زیادہ جاندار، باوقار اور پر اثر ہے ۔

چند سال پہلے ایک مشہور شاعر اور دانش ور نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ

صرف قصائد اور مرثیے لکھتے ہیں' آفاقی شاعری کرنے کی کوشش کیجیے ۔ تو میں نے ان سے پوچھا کہ جناب ! آفاقی شاعری کسے کہتے ہیں ؟ انھوں نے جواب دیا ، ایسی شاعری جو تمام انسانوں کے لیے ہو ۔ اور قصائد و مرثیے کا تعلق ایک خاص گروہ یعنی مسلمانوں کے ایک چھوٹے سے فرقے صرف شیعوں سے ہے اس لیے اسے آفاقی شاعری نہیں کہہ سکتے ۔

میں نے انھیں جواب دیا تھا کہ اس طرح تو فردوسی کا شاہنامہ بھی آفاقیت سے محروم ہے کیونکہ وہ ایرانی قوم کے لیے لکھا گیا ہے اور ملٹن کی شاعری بھی آفاقی نہیں کیوں کہ وہ صرف اس کی قوم کے لیے تھی اور ٹیگور کے گیت بنگالی ہندوؤں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں وہ بھی آفاقی نہیں اور اقبال کی شاعری مسلمانوں کے لیے تھی وہ بھی آفاقی نہیں اور تاج محل کے حسن میں بھی کوئی آفاقیت نہ ہونی چاہیے کیوں کہ وہ ایک بادشاہ کی زوجہ کا مقبرہ ہے ۔

آدمی اپنے پیر پر کھڑا ہوتا ہے سب کے پیروں پر نہیں، اور فن کار اپنے گھر میں بیٹھ کر شعر کہتا ہے خلا میں جاکر نہیں ـــــ آفاقیت جذبہ کی آنچ اور احساس کی شدت خلوص و یقین سے پیدا ہوتی ہے ۔ موضوع کا تعلق فن کار کی ذات سے جتنا گہرا ہوگا ، فن کی ہمہ گیری بڑھتی جائے گی، اس کا درد سب کا درد اور اس کی بات سب کی بات بنتی جائے گی ۔

ادبی پینترے بازی اور جوڑ توڑ کا زمانہ ہے ۔ لوگ جب چاہیں مہملات کو آفاقی ادب بنادیں ورنہ مذہب تو خود سب سے بڑی آفاقی حقیقت ہے اور انسانی وجود کی جڑوں تک پھیلا ہوا ہے ـــــ نطشے کا فوق البشر ہو یا اقبال کا مرد مومن ! سب کردار اہل بیت کی پرچھائیاں ہیں ۔

اچھی شاعری کو عالمِ وجود میں لانے کے لئے جن عناصر کی ضرورت ہے اس سے اسلامی تاریخ کا دامن بھرا ہوا ہے ـــــ عظیم کردار ہوں یا دل کو چھو لینے والے واقعات، محیر العقول کارنامے ہوں یا انقلاب آفریں تمثیلیں، احساسات کو بیدار کر دینے والی روایات ہوں یا دلوں کو دھڑکا دینے والی یادیں۔

ـــــ اگر عظیم شاعری کا مقصد انسان میں شجاعت و بہادری کے جذبات کو بیدار کرنا ہے اور انھیں حرکت و عمل کا پیغام دینا ہے تو مذہبی شاعری کو نہ فردوسی کے فرضی کرداروں کی ضرورت ہے نہ قدیم ہندوستان کی رزمیہ شاعری کی طرح افسانہ تراشی کی ضرورت۔ خیبر و خندق اور بدر و حنین کے سچے تجربات بڑا ادب پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ـــــ اگر شاعری کا کام بے چین روحوں کی تسکین، زخمی دلوں کے لیے مرہم مجروح احساسات کے لیے دوا تلاش کر کے غم کو نشاطِ غم میں تبدیل کر دینا ہے، تو اہلِ بیتؑ رسولؐ کی باوقار اور با اختیار مظلومیت سے بڑا کوئی موضوع نہیں جو حالات کے ٹھکرائے ہوئے انسانوں کو سکون کی دولت عطا کر کے غم کو نشاطِ غم میں بدل دے۔

ـــــ اگر شاعری کا مقصد ماضی کی تصویر کشی حال کی تعمیر اور خوش آیند مستقبل کا یقین دلانا ہے تو ماضی کے دامن میں کردارِ اہلبیتؑ سے بڑا کوئی سرمایہ نہیں اور حال کی تعمیر کے لیے ان کے اسوۂ حسنہ سے بڑا کوئی ذریعہ نہیں، اور ظہور ولی عصر عجل اللہ سے بڑی مستقبل کے لئے کوئی خوش خبری نہیں۔

ـــــ اور اگر شاعری "عصری حسیت" اجتماعی درد، فرد کی تنہائی کے اظہار کا نام ہے تو اس سلسلے میں کام آنے والی تمثالیں اور علامتیں مذہب کے دامن میں وافر مقدار میں موجود ہیں، مثلاً پیاس، فرات، مقتل، دار و رسن، کربلا، ناوک، خنجر، پُرہول بن

اور خوں چکاں کفن ـــ یہ اسلامی لغت کے الفاظ ہیں جو ہر اچھے ادب کی ضرورت پوری کر رہے ہیں۔

یہ سب باتیں اسلئے نہیں لکھ رہا ہوں کہ میں خود مذہبی شاعری پیش کرنے کا دعویدار ہوں ـــــ مذہبی شاعری اسی وقت ہو سکتی ہے جب شاعر کو فقیہ کا علم، مجاہد کا جگر، اور خوفِ خدا میں دھڑکنے والا دل مل جائے ـــــ صحیح معنوں میں مذہبی شاعری کرنے کے لئے میثم تمار کی زبان، فرزدق کی جراتِ اظہار، دعبل خزاعی کا حوصلہ اور کمیت کا جذبہ فن چاہیئے جو کہتے تھے "شاعری نہیں تختۂ دار ہے جسے اپنے ساتھ لیے گھوم رہا ہوں" جن کی شعر خوانی کے لیے مسندیں نہیں مقتل سجائے جاتے تھے داد و تحسین کے بدلے نیزے کے زخم ملتے تھے۔ گل پوشی کے بدلے سنگ باری ہوتی تھی ـــــ مذہبی شاعری بے داغ شیروانی نہیں بلکہ کفن پہن کے کی جاتی ہے اور مذہبی شاعر داد و تحسین کا حریص نہیں ہوتا بلکہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے شعر کہتا ہے۔ وہ سامعین کو فرشی سلام نہیں کرتا بلکہ انھیں ظلم سے ٹکرانے کی دعوت دیتا ہے۔

یہ سب تو صرف اس لیے لکھ رہا ہوں کہ " شاید آجائے کوئی آبلہ پا میرے بعد" ورنہ میں کہاں اور مذہبی شاعری کہاں؟ تُک بندی کرنے والا گنہ گار قلم مذہبی شاعری کی تخلیق کیسے کر سکتا ہے ـــــ اتنا ضرور ہے کہ میں نے اپنے اشعار کو مذہبی شاعری سے منسوب کر رکھا ہے کہ شاید اس نسبت سے میرا کوئی شعر، کوئی مصرع کوئی فقرہ خوشنودیٔ الٰہی کا سبب بن جائے۔

اور ہو سکتا ہے کہ معصوم کے وعدہ کے مطابق میری کوئی بیت، بیتِ جنت کی حقدار ہو جائے۔ میں اپنے مالک کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں کیوں کہ مایوسی

کفر ہے۔

بیسویں صدی کی چوتھی دہائی یعنی ۱۹۳۵ء میں ایک متوسط طبقے کے زمیندار گھرانے میں پیدا ہوا۔ خاندان میں شعر و شاعری کا چرچا تھا اور ہر طرف انیس و دبیر کے مرثیوں کی صدائے بازگشت سنائی دیتی تھی۔ میرے والد سید مرتضیٰ حسین مرحوم جو شاعری کا ذوق بلند رکھتے تھے، چند منقبتیں بھی لکھی تھیں اور کسی زمانے میں صفا تخلص بھی اختیار کیا تھا، میرے والد کے بڑے بھائی سید امیر حسین مرحوم وفا تخلص کرتے تھے۔ کئی مرثیے لکھے جو "یادگارِ وفا" کے نام سے غالباً ۱۹۴۴ء میں شائع ہوئے تھے ـــــ عروجِ زمینداری کے زمانے میں آرزو لکھنوی مرحوم عشرۂ محرم پڑھنے میرے وطن انباری اعظم گڑھ تشریف لے جاتے تھے اور والد مرحوم اور ان کے بڑے بھائی ان کے میزبان ہوتے تھے۔ والد مرحوم بے انتہا محبت اور احترام سے منجھو صاحب (آرزو) کے نام سے اکثر ان کا تذکرہ فرماتے تھے ـــــ اغلب یہ ہے کہ میرے والد اور ان کے بڑے بھائی نے آرزو لکھنوی سے اصلاح بھی لی ہو۔

میرے بالکل بچپن میں مولانا محمد علی اجلال صاحب مرحوم شہادتِ مولائے کائنات کے سلسلے کی مجلسیں پڑھنے ہر سال تشریف لے جاتے تھے جو ایک عالمِ دین ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اچھے شاعر بھی تھے۔ ان کی آمد شعر و شاعری کے ماحول میں تحریک پیدا کر دیتی تھی۔ عام طور پر مجلسوں میں مرثیے پڑھے جاتے تھے اور اکثر بزرگوں کا موضوعِ سخن یہی مرثیے ہوتے۔ ان بزرگوں میں کوئی انیس کو بڑا شاعر سمجھتا تو کوئی دبیر کو۔ اس سلسلے میں اکثر بحثیں ہوتی رہتیں۔

چونکہ والدہ صاحبہ مرحومہ کا انتقال میری بالکل کمسنی میں ہو گیا تھا، اس لیے پرورش کی ذمہ داری تنہا والد مرحوم نے سنبھال رکھی تھی اور وہ ہر شام کو بستر میں لیٹنے کے بعد کہانیوں

کے بجائے ذکرِ اہلِ بیتؑ، خیبر و خندق کے واقعات اور اساتذہ کے اشعار سنایا کرتے تھے۔ اس طرح ان کی آغوشِ محبت میرے لیے ایک درسگاہ بھی بن گئی تھی۔

والد مرحوم کی تربیت اور اس خاندانی ماحول نے کم عمری ہی میں مزاج میں موزونیِ طبع پیدا کر دی تھی اور نظم و نثر کا فرق سمجھ میں آنے لگا تھا ـــــ پرائمری کے تیسرے یا چوتھے درجے میں غالباً آٹھ یا نو سال کی عمر میں اس طرح شعر کہنے کی کوشش کی کہ نصاب میں شامل اسمٰعیل میرٹھی کی ایک نظم کا چربہ اسی ردیف و قافیہ مگر اپنے الفاظ میں کھینچ کر اپنے ہم درس لڑکوں کو سنا دیا، جس کی خبر اساتذہ کو ہوئی تو انھوں نے میری سرزنش کی اور میرے اس عمل کو گستاخی قرار دیا۔

بارہ یا چودہ سال کی عمر میں ایک نوحہ لکھا جس کے ناپختہ اشعار اب تک یاد ہیں اس کے بعد ۱۹۵۲ء میں پہلی بار ایک طرحی قصیدہ لکھا اور پڑھا، والد مرحوم ساتھ تھے، بہت خوش ہوئے۔ پھر ابھی پوری طرح ہوش بھی نہیں سنبھالا تھا کہ دسمبر ۱۹۵۳ء میں والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ تنہائی اور بے بسی کے احساس کے ساتھ اقتصادی پریشانیوں نے بھی آ دبوچا، کئی سال تک شعر کہنے کا خیال بھی نہیں پیدا ہوا۔ مگر ۱۹۵۶ء سے پھر شعر گوئی کا سلسلہ شروع ہو گیا اور قرب و جوار کے مقاصدوں میں شرکت کرنے لگا۔ ۱۹۶۳ء میں پہلی بار بنارس، لکھنؤ اور فیض آباد کے مقاصدوں میں شرکت کی ـــــ اور پھر پندرہ بیس سال کے وقفے میں بنگال سے کشمیر تک اور کشمیر سے کرناٹک تک تقریباً ملک کی تمام شیعہ بستیوں میں ذکر اہلِ بیتؑ کی سعادت حاصل کی اور ہندوستان کے باہر بھی متعدد ممالک میں مدحِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کا موقع ملا۔

شعبان ۱۹۶۳ء میں جامعہ ایمانیہ بنارس کے مقاصدے میں پہلی بار سرکار ظفر الملت مولانا سید ظفر الحسن صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ، نے میرا قصیدہ سننے کے بعد دادِ تحسین کے

ساتھ جس شفقت و محبّت کا اظہار کیا اس نے مجھ میں خود اعتمادی پیدا کردی۔ یہ پہلا دستِ شفقت تھا جس کا وزن میں نے محسوس کیا۔ سرکار مرحوم میرے اشعار سُن کر جس قدر خوش ہوتے تھے اور جس محبّت سے دُعائیں دیتے تھے اس کی یاد میری زندگی کا قیمتی سرمایہ ہے۔ ایک بڑے اجتماع میں انھوں نے مجھے "لسان القوم" کا لقب بھی مرحمت فرمایا تھا اور اس کا اعلان ماہنامہ "الجواد" کے کسی شمارے میں دُعاؤں کے ساتھ کیا تھا۔ ان کی خدمت میں مجھے سکون بھی ملتا تھا اور تقویت بھی۔

بانیِ تنظیم خطیبِ اعظم مولانا سید غلام عسکری صاحب طاب ثراہ کی بے لوث محبّت اور ان کی فعال اور رواں دواں شخصیت میرے لیے شجر سایہ دار کی حیثیت رکھتی تھی اور انھوں نے تحریکِ دین داری کے سلسلے میں مجھے بھی اپنے رفقاء کی فہرست میں شامل کر کے میرے قلم کو فکر و فن کے نئے راستوں سے آشنا کیا اور اصلاح و تبلیغ کی طرف موڑ کے مجھے "شاعرِ تنظیم" بھی بنا دیا اور اپنی آخری سانس تک ہمسفری کا موقع مرحمت فرمایا۔ وہ بامقصد اور تعمیری شاعری کو اللہ کی نعمت اور قوم کی ضرورت سمجھتے تھے۔ میں نے پھوہڑپن سے بچتے ہوئے اظہار کا سلیقہ بھی سیکھنے کی کوشش کی۔ میری نثر نگاری صدفی صد انھیں کی رہینِ منّت ہے اور انکی یادوں کی روشنی اب بھی میری رہنمائی کر رہی ہے۔

اپنے آخری سفر پر روانہ ہونے سے چند گھنٹے پہلے وہ میرا حسبِ ذیل شعر بار بار پڑھتے رہے ؎

میرے قدم کو زمانہ ہلا نہیں سکتا
کہ میرا ہاتھ کسی ذمّہ دار ہاتھ میں ہے

ایک مرتبہ شاید زندگی میں پہلی بار اس شعر کو انھوں نے ترنّم سے پڑھنے کی کوشش کی۔ ہم سب ہنسنے لگے۔ آج وہ منظر یاد کر کے دل رو رہا ہے۔ پھر چند گھنٹوں

کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے ؎

سُورج کی موت چاند ستاروں کی مَوت تھی
وہ ایک کی نہیں تھی ہزاروں کی مَوت تھی

شعبان ۱۹۶۵ء میں الہ آباد کی ایک بزمِ مقاصدہ میں سرکار علامہ جوادی سے پہلی بار ملاقات ہوئی اور چند لمحوں میں یہ ملاقات مستقل رفاقت میں تبدیل ہو گئی —— ان کی ذات کا میری شاعری سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ میں انھیں نہ اپنا قاری سمجھتا ہوں نہ سامع، نہ یہ رشتہ روایتی حوصلہ افزائی کے ذریعہ قائم ہوا نہ رسمی داد و تحسین کی بنیاد پر استوار ہے۔ مجھے یاد بھی نہیں کہ کبھی انھوں نے مجلس یا محفل سے نکل کے میری تعریف کی ہو۔ مگر یہ ایسا فکری اور نفسیاتی رابطہ ہے جس کی تشریح ممکن نہیں۔

پہلی ملاقات سے لے کر آج تک میں یہی محسوس کرتا ہوں کہ اپنے اشعار کے رگ و ریشے سے جتنا میں واقف ہوں اتنا ہی وہ بھی واقف ہیں۔ میری کامیابی اور ناکامی سے اتنا ہی وہ بھی متاثر ہوتے ہیں جتنا خود میں — اکثر ایسا بھی ہوا کہ انھوں نے خود میرے اشعار کی "تفہیم" یوں کر دی کہ شاید خود میں نہ کر سکتا۔

میں بھول سکتا ہوں کہ میرا فلاں مصرع کس شعر کا ہے اور فلاں شعر کس نظم سے تعلق رکھتا ہے مگر علامہ فوراً اس کی جگہ بتا سکتے ہیں۔

اس یقین اور اعتماد نے کہ جادۂ شاعری میں اکیلا نہیں ہوں، میرے قلم کو بڑی تقویت بخشی۔ مرثیہ نگاری کی طرف مجھے علامہ ہی نے مائل کیا بلکہ جبراً کئی مرثیے لکھوائے جس کی تفصیل آئندہ مرثیوں کی اشاعت کے موقع پر پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔

میں نے ۱۹۷۰ء سے ۱۹۸۰ء تک کا زمانہ اپنے بچوں کے ساتھ کراری الہ آباد میں گزارا۔ اس دوران میں نے اکثر مرثیے، قصائد، نوحے اور سلام لکھے ہیں۔ کراری

اور مضافات کے مومنین کے خلوص و محبّت نے کبھی یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ میں وطن سے دُور ہوں، بلکہ ایسا لگتا تھا کہ اپنے ہی خاندان میں زندگی گزار رہا ہوں ـــــ آج بھی الہ آباد اور کراری سے ذہنی وابستگی باقی ہے۔

میرے چھوٹے بھائیوں سید خادم مہدی اور ہلال احمد رضوی کا بھی میری شاعری سے ایک خاص ربط ہے۔ ان دونوں نے نامساعد حالات میں بھی ہمیشہ میرے لیے شعر گوئی کا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی اور حتی الامکان ان گھریلو ذمّہ داریوں کو خود سنبھال لیا، جو شعر گوئی میں مخل ہو سکتی تھیں۔ خادم مہدی سلمہٗ میرا دستیاب کلام محفوظ بھی کر لیتے تھے، اور ان کی کئی کاپیاں بنا لیتے تھے جو بعد میں میرے کام آتی تھیں، ورنہ میرے مزاج کے لااُبالی پن نے اسے بھی ضائع کر دیا ہوتا۔

عزیزی عون محمد رضوی سلمہٗ کراروی نے، جو اس وقت بمبئی میں مقیم ہیں، کراری کے قیام کے دوران کہے گئے اشعار کا کچھ حصّہ محفوظ کر لیا تھا، جو ان سے حاصل کر کے شاملِ اشاعت کر رہا ہوں۔ اللہ ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

ڈاکٹر ناطق اعظمی کا تذکرہ بھی ضروری سمجھتا ہوں، جو ابتدائے جادۂ شاعری میں میرے ہم سفر رہے ہیں اور فکرِ اہلبیتؑ کا اُسلوب تلاش کرنے میں معاونت کی ہے۔

برادر محترم عباس حسینی مرحوم (نکہت پبلی کیشنز) اور برادر مکرم شکیل جمالی صاحب کی محبتوں کا اعتراف بھی ضروری ہے جنھوں نے مجھے بھائی کی طرح عزیز رکھا۔

احباب میں رئیس الواعظین سید کرار حسین، مولانا محمد مرتضیٰ رضوی، مولانا سیّد مظاہر علی سنبھلی، مولانا ابنِ علی شائق، مولانا سید شمیم الحسن صاحب امیر جامعہ جوادیہ، مولانا سید احمد حسن امیر جامعہ ایمانیہ، مولانا سید تقی الحیدری امیر جامعہ وثیقہ، مولانا سید ظفر عباس اور حامد رضوی الہ آبادی جیسے حضرات کی پرخلوص حوصلہ افزائی میرے

شریکِ حال رہی ہے۔ میں ان سب کا شکر گزار ہوں۔

سید سعادت حسین الہ آبادی کے جذبۂ رفاقت کا اعتراف بھی ضروری ہے جو میرے کلام کی اشاعت کے لیے کوشاں ہیں۔

عزیزی ضیغم زیدی سرسوی کی کوششوں کا بھی اعتراف کرتا ہوں جو طباعت کے سلسلے میں انھوں نے کیں۔ ملک کی متعدد ماتمی انجمنیں بھی شکریے کی مستحق ہیں جن کی فرمائش پر مجھے نوحے اور سلام لکھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اور برِصغیر کے ان تمام حضرات کا بھی ممنون ہوں جو میرا کلام میرے نام کے بغیر پڑھنے کے عادی ہیں۔

الغرض مدحِ اہلبیتؑ کے اس سفر میں، علماء نے گلے سے لگایا، باشعور اربابِ دانش نے خوش آمدید کہا۔ احباب نے ہمّت افزائی کی، خواص نے دل بڑھایا، عوام نے بے پناہ محبّت کا اظہار کیا۔ ہندوستان، پاکستان، ایران، عرب امارات، بلکہ افریقہ تک جہاں بھی گیا، مومنین نے غیر معمولی پذیرائی کی اور میری قوم نے مجھے کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا ـــــ البتہ مجھے اس کا اعتراف ہے کہ خود میں قوم کی توقعات پوری نہ کر سکا اور اس کا حق ادا کرنے میں کوتاہی کی۔

نام نہاد قسم کے دانش وروں، پینترے بازی اور چور بازاری کے ذریعہ ادیب و شاعر بن جانے والوں سے کبھی اچھے تعلقات نہیں رہے، یا وہ لوگ جو مال گاڑی کے خالی ڈبّوں کی طرح الفاظ کو جوڑ کے چند سطریں لکھنے کے بعد خود کو بہت بڑا مصنف سمجھنے لگتے ہیں یا حکومت اپنی سیاسی ضرورت پوری کرنے کے لئے جن کی دستار بندی کر دیتی ہے۔ یا وہ بیچارے جو مذہب کے ہجّے بھی نہیں جانتے مگر مذہبی ادب میں اپنی ٹانگ اڑانا فرضِ منصبی سمجھتے ہیں ـــــ مجھ سے کبھی خوش نہیں رہ سکے۔ ایسے لوگوں سے مجھے نہ کوئی شکایت ہے نہ ان کی ضرورت۔

زیرِ نظر مجموعہ ان قصائد، منظومات اور منقبتوں پر مشتمل ہے جو ضائع ہونے سے بچ گئے ہیں۔ اس کے بعد مرثیوں، نوحوں اور سلام اور تنظیم المکاتب کے پلیٹ فارم سے پڑھی جانے والی اصلاحی نظموں کے مجموعوں کی اشاعت کا مرحلہ باقی ہے کوشش ہو رہی ہے کہ وہ بھی منظرِ عام پر آسکے۔

آپ سے دُعائے خیر اور آنے والی نسلوں سے دُعائے مغفرت کی درخواست کے ساتھ اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

پیامؔ اعظمی
۲۵ر جنوری ۱۹۹۳ء

تیغ کام آئی نہ طبل اور علَم کام آئے
نظریوں کے تصادم میں قلم کام آئے

منظومات

تعارف

میں ہوں مدّاح گہر ساز ہے فطرت میری
اک اُبلتا ہوا زمزم ہے طبیعت میری
نطق انسان کو دیتی ہے فصاحت میری
ہے بہرحال زمانے کو ضرورت میری

سوز کو زمزمۂ ساز عطا کرتا ہوں
لبِ خاموش کو آواز عطا کرتا ہوں

پیروِ میرؔ نہ غالبؔ کا پرستار ہوں میں
شاعرِ بارگہِ عترتِ اطہار ہوں میں
دل دُکھاتا ہوں کسی کا نہ دل آزار ہوں میں
ذکرِ مظلوم خطا ہے تو خطاکار ہوں میں

بات حق ہوتی ہے جو حق کی طرح کرتا ہوں
گفتگو مَیں بھی فرزدق کی طرح کرتا ہوں

ملک رکھتا ہوں نہ طبل اور نہ علم رکھتا ہوں
داغِ دل، سوزِ جگر، دیدۂ نم رکھتا ہوں
عشقِ بیدارِ شہنشاہِ اُمم رکھتا ہوں
باوضو ہو کے جو کاغذ پہ قلم رکھتا ہوں

سر فرشتوں کا حدِ شوق میں جھک جاتا ہے
خامۂ کاتبِ تقدیر بھی رُک جاتا ہے

میں ہوں نبّاضِ ادب، رازِ ادب جانتا ہوں
فکر کو شعر بنا دینے کا ڈھب جانتا ہوں
کونسی بات کا وقت آتا ہے کب جانتا ہوں
میں تو لفظوں کا حسب اور نسب جانتا ہوں

ساری فرسودہ روایات سے برتر ہوں میں
شاعرِ بارگہِ آلِ پیمبرؐ ہوں میں

ہے میری فکر سے ہر کشتِ تخیل میں نمو
مدحِ مولا کی ہے شرمندۂ احساں اُردو
بھر دیئے میرے پسینے نے ہر اک جام و سبو
دوڑتا ہے رگِ اشعار میں میرا ہی لہو

میرا دم ہے جو یہ طوفان ہوا کرتے ہیں
ورنہ الفاظ تو بے جان ہوا کرتے ہیں

مدحِ مولا میں جو اُٹھتی ہے صدائے برحق
روشنی پاتے ہیں تاریک دماغوں کے طبق
ملتا ہے قوم کو ایثار و شجاعت کا سبق
میں اُلٹتا ہوں محبت کے صحیفوں کے ورق

خاکِ بھارت کو پیامِ دل و جاں دیتا ہوں
وہ مؤذن ہوں کہ مندر میں اذاں دیتا ہوں

(سنہ ۱۹۷۰ء ۔ ۶ ۔ اعظم گڑھ)

قطعہ

پرچمِ عظمتِ اسلام اُٹھایا نہ گیا
راستہ خلقِ پیمبرؐ کا دکھایا نہ گیا
تم مسلمانوں کو کافر تو بنا سکتے ہو
کسی کافر کو مسلمان بنایا نہ گیا

میرا قلم

مرا قلم میرے اللہ کی امانت ہے

رہِ وفا میں سرِ دار چڑھ کے بولے گا
ہوس کی بزم میں لیکن زبان کھولے گا

نظر میں اس کی ہے فاقہ کشوں کا سیلِ کرم
کسی رئیس کے دربار میں نہ جائے گا
ہجومِ درہم و دینار میں نہ جائے گا

جو مدحِ غیر میں اس کو کروں گا آلودہ
لکھے گا ذکرِ پیمبرؐ تو شرم آئے گی
کرے گا مدحتِ حیدرؑ تو شرم آئے گی

سنائے گا یہ کسی اور کا قصیدہ اگر
شعورِ علم و ہنر کو جواب کیا دے گا
غرورِ فکر و نظر کو جواب کیا دے گا

متاعِ کوچہ و بازار تو نہیں یہ قلم
جو ہو ذلیل فقط لذّتِ زباں کیلئے
سنائے شعر تجمّل حسین خاں کیلئے

خطا معاف، یہ خدمت نہ لیجیے اس سے
ثنائے عترتِ اطہارؑ اس کی عادت ہے
مرا قلم میرے اللہ کی امانت ہے

(سنہ ۱۹۹۰ء ۔ اعظم گڑھ)

□□

ہم پہ الزام ہے غیروں سے وفاداری ہے
دوستوں کی یہ عجب طرزِ جفاکاری ہے
وہ اگر خون بہادیں تو انھیں کچھ نہ کہو
ہم جو دو اشک بہادیں تو دل آزاری ہے

□□

لہو کا مصرف

قبل اس کے کہ تیرا گرم لہو
خاک میں مل کے رائیگاں ہو جائے
بزمِ ہستی سے بے نشاں ہو جائے
کسی گلشن کی آبیاری کر
تاکہ رنگِ بہار بن جائے
رونقِ لالہ زار بن جائے
وقف کر دے برائے شعر و سخن
فن کے پیکر میں جاوداں ہو جائے
رگِ اشعار میں رواں ہو جائے
سونپ دے یا زمینِ مقتل کو
حسنِ میدانِ جنگ بن جائے
کسی پرچم کا رنگ بن جائے
اور اگر یہ نہیں تو کم از کم
شاملِ اشک ہائے غم کر دے
جیب و دامن ہی اپنا نم کر دے

(دسمبر ۱۹۶۲ء - اعظم گڑھ)

□□

ساقی

آئے ہیں رند باندھ کے احرام ساقیا
بیٹھے ہوئے ہیں لے کے ترا نام ساقیا
ٹھہری ہوئی ہے گردشِ ایام ساقیا
بس ہو چکی نماز اُٹھا جام ساقیا

ہم سب شریف رند ہیں بیت الشرف سے ا
ملتی نہیں حرم میں تو جا کر نجف سے ا

پانی ذرا سا بھی نہ ملانا شراب میں
یہ سوئے ظن ہر ساقیِ کوثر کے باب میں
پینا ہے آج بندگیِ بوترابؑ میں
لکھ لے ہمارے جام علیؑ کے حساب میں

بیمارِ غم ہے رُوح گرہ دل کی کھول دے
خاکِ شفا بھی کچھ مرے ساغر میں گھول دے

یہ مئے حیاتِ کون و مکاں کا نچوڑ ہے
بہتر نہیں ہے اس سے زمانے کی کوئی شے

جائز نہیں ہے واعظِ کم ظرف کو یہ مے
پی لے گا ایک گھونٹ تو کرنے لگے گا تے

سب جان لیں غدیر کے اعلان کی طرح
پینا پڑے گا بوذر و سلمانؑ کی طرح

اربابِ تخت و تاج کو ٹھکرا کے آئے ہیں
طوفانِ ظلم و جور سے گھبرا کے آئے ہیں
جی بھر پئیں گے آج قسم کھا کے آئے ہیں
مے کش ترے کرم کی خبر پا کے آئے ہیں

وہ اور ہوں گے جن کو مدارات چاہیئے
ہم کو تو بس حسینؑ کی خیرات چاہیے

ساقی شرابِ سیرت و کردار دے ہمیں
للہ جرأتِ رسن و دار دے، ہمیں
جذبِ ولائے عترتِ اطہار دے ہمیں
یعنی زبانِ میثمِ تمار دے ہمیں

خود کیوں کہیں کہ لائقِ صد احترام ہیں
دنیا پکار اٹھے کہ علیؑ کے غلام ہیں

(سنہ ۱۹۷۲ء - الہ آباد)

مقدّرات

اک روز ایک صاحبِ زُلفِ دراز نے
مجھ سے کہا کہ کب یہ سخن ور کی بات ہے

آتا نہیں ہے ذکرِ رسولؐ خدا تمھیں!
بس فاطمہؑ کا ذکر ہے حیدرؑ کی بات ہے

میں نے کہا کہ ذکرِ رسولِ خدا کروں؟
کہنے لگے کہ ہاں! یہی جوہر کی بات ہے

میں نے کہا جو دعوتِ اوّل کا تذکرہ
بولے ہٹاؤ اس میں تو حیدرؑ کی بات ہے

میں نے کہا، جہادِ پیمبرؐ کروں بیاں
خندق کا ذکر ہے کہیں خیبر کی بات ہے

کہنے لگے کہ اور کوئی تذکرہ کرو
اس میں تو صاف ضیغمِ داور کی بات ہے

میں نے سُنایا آیۂ تطہیر کا نزول!
بولے کہ گھر میں رہنے دو یہ گھر کی بات ہے

میں نے نبیؐ کی بُت شکنی کا کیا جو ذکر
یہ کہہ کے، یہ تو خانۂ داور کی بات ہے

کہنے لگے کہ دُکھتی ہوئی رگ نہ چھیڑیے
پائے علیؑ و دوشِ پیمبر کی بات ہے

میں نے سُنایا جب شبِ ہجرت کا واقعہ
بولے کہ یہ رسُول کے بستر کی بات ہے

میں نے نبیؐ کے آخری حج کا کیا جو ذکر
بولے کہ پھر غدیر کے منبر کی بات ہے

میں نے کہا کہ ذکرِ نبیؐ کس طرح کروں؟
احمدؐ کی بات بات میں حیدرؑ کی بات ہے

پوچھا کہ ذکر اوروں کا آتا نہیں ہے کیوں؟
میں نے کہا کہ یہ تو مقدّر کی بات ہے

□□

ماہِ رحمت

عبادتوں کے چمن کی بہار ہے رمضاں
علاجِ گردشِ لیل و نہار ہے رمضاں
پئے طہارتِ دل آبشار ہے رمضاں
پیامِ رحمتِ پروردگار ہے رمضاں
ہوا کریم کا احساں اسی مہینے میں
ملا رسُولؐ کو قرآں اسی مہینے میں

بہارِ گلشنِ عشق و وفا کا موسم ہے
نمودِ قوّتِ صبر و رضا کا موسم ہے
فروغِ جذبۂ صدق و صفا کا موسم ہے
عبادتوں کا زمانہ دُعا کا موسم ہے
ہے وقت بگڑی ہوئی قسمتیں بنانے کا
زمانہ آیا گناہوں کے بخشوانے کا

زہے نصیب جو ماہِ صیام آتا ہے
زمیں پہ اہلِ فلک کا سلام آتا ہے
جو پیاسے ہونٹوں پہ مالک کا نام آتا ہے
تو خود ہی رقص میں رحمت کا جام آتا ہے
سُنادو خوش خبری دردوغم کے ماروں کو
ملی ہے مہلتِ توبہ گُناہ گاروں کو

زہے وہ ضعف جو کردار کی دَوا بن جائے
خوشا وہ پیاس جو سیرابیِ وفا بن جائے
زہے وہ بھوک جو دل کیلئے دوا بن جائے
خوشا وہ نیند جو تسبیحِ کبریا بن جائے
اسی کو حق ہے کہ دستِ دُعا بلند کرے
کہ جس کی بُوئے دہن بھی خُدا پسند کرے

ہر ایک سانس میں ذکرِ خُدا کی لذت ہے
ہر اک نفس میں نہاں جلوہ تلاوت ہے

یہ ترکِ آب و غذا زندگی کی دَولت ہے
جو نیند آئے تو سونا بھی اک عبادت ہے
نزولِ رحمتِ پرَوردگار ہوتا ہے
کہ بخت جاگتا ہے روزہ دار سوتا ہے

وہ شامِ قدر کا منظر نمازیوں کی قطار
دُعائے سیدِ سجّادؑ کی وہ نرم پھُوار
پلک پہ اشکِ ندامت زباں پہ استغفار
وہ رات جس کی تجلّی پہ لاکھ صبح نثار
بہت بلند حدِ امتحان دیکھتے ہیں
مَلک بھی آکے عبادت کی شان دیکھتے ہیں

سُنائی ہے لبِ معصوم نے خبر اس کی
صَدائے "فزتُ برَبِّ" ہے پیامبر اس کی
علیؑ کے سجدوں سے روشن ہے رہگذر اس کی
پیامِ فتح ہے انیسویں[۱۹] سحر اس کی

وقار کیوں نہ ہو، سر ایک بُوترابی کا
یہی مہینہ ہے مولا کی کامیابی کا

بُھلا دیں فرض کو چھوٹے بڑے، خدا نہ کرے
دلوں پہ کفر کا پنجہ گڑے، خُدا نہ کرے
دکھائی دیں ہمیں روزے کڑے، خدا نہ کرے
خُدا کے سامنے کہنا پڑے، خُدا نہ کرے
جو داغ دامنِ کردار پر تھے دھو نہ سکے
گزر گیا رمضاں فیض یاب ہو نہ سکے

□□

قطعہ

حسنینؑ نصف بدن، دل ہیں فاطمہؑ
اور شیرِ کبریا کے سوا سر کہیں کسے؟
اجزائے مصطفٰے ہیں پیامِ آلِ مصطفٰے
عِترت کو چھوڑ دیں تو پیمبر کہیں کسے؟

غدیر

پیمبروں نے جو مانگی ہے وہ دُعا ہے غدیر
جو گونجتی رہے تا حشر وہ صدا ہے غدیر
جو رُک سکے نہ وہ اعلانِ مصطفٰے ہے غدیر
کہ ابتداء ذوالعشیرہ ہے انتہا ہے غدیر

غدیر منزلِ انعامِ جاودانی ہے
غدیر مذہبِ اسلام کی جوانی ہے

غدیر دامنِ صدق و صفا کی دَولت ہے
غدیر کعبہ و قرآن کی ضمانت ہے
غدیر سرحدِ معراجِ آدمیت ہے
غدیر دین کی سب سے بڑی ضرورت ہے

غدیر منزلِ مقصود ہے رسُولوں کی
غدیر فتح ہے اسلام کے اصُولوں کی

متاعِ کون و مکاں کو غدیر کہتے ہیں
چراغِ خانۂ جاں کو غدیر کہتے ہیں
صداقتوں کی زباں کو غدیر کہتے ہیں
عمل کی رُوحِ رواں کو غدیر کہتے ہیں

غدیر منزلِ تکمیل ہے سفر نہ کہو
نبیؐ کی صبحِ تمنّا ہے دو پہر نہ کہو

غدیر نام ہے اللہ کی عبادت کا
غدیر نام ہے انساں کی شرافت کا
غدیر نام ہے نوعِ بشر کی عظمت کا
غدیر نام ہے ربطِ کتاب و عترت کا

جہاں میں جو ہے اسی اک سفر کا صدقہ ہے
ہر ایک صبح اسی دوپہر کا صدقہ ہے

کہیں سکوں کہیں جھنکار بن گئی ہے غدیر
کبھی صدائے سرِ دار بن گئی ہے غدیر
کہیں قلم کہیں تلوار بن گئی ہے غدیر
کہیں دُعا کہیں انکار بن گئی ہے غدیر

یہ سب اثاثۂ علم و یقین مٹ جاتا
اگر غدیر نہ ہوتی تو دین مٹ جاتا

دلِ پیمبرِ اعظمؐ کا چین بھی ہے غدیر
نمودِ قوتِ بدر و حنین بھی ہے غدیر
لبِ بتولؑ پہ فریاد و شین بھی ہے غدیر
حسنؑ کی صلح بھی جنگِ حسینؑ بھی ہے غدیر

کبھی صدائے جرس بن کے راہ میں آئی
کفن پہن کے کبھی قتل گاہ میں آئی

نبیؐ کے بعد صفِ اشقیا جب آئی تھی
عداوتِ آلِ پیمبرؐ کی رنگ لائی تھی
ستم پرستوں نے کب آستیں چڑھائی تھی
جمل کی اور نہ صفین کی لڑائی تھی

نہ سمجھو تھا وہ شہِ قلعہ گیر پر حملہ
کیا تھا اہلِ ہوس نے غدیر پر حملہ

یہ آرزو تھی مٹا دیں گے نقشِ پائے غدیر
سمجھ رہے تھے کہ مقتل ہے انتہائے غدیر

مگر نہ رک سکی تیغوں سے بھی ہوائے غدیر
سناں کی نوک پہ بھی گونج اٹھی صدائے غدیر
لہو میں غرق ہر اک حق پسند ہو کے رہا
مگر غدیر کا پرچم بلند ہو کے رہا

نفاق و کفر کے گھیروں نے راستہ روکا
جفا و ظلم کے ڈیروں نے راستہ روکا
جہالتوں کے اندھیروں نے راستہ روکا
قدم قدم پہ لٹیروں نے راستہ روکا
جو سدِّ راہ بصد نخوت و غرور ہوئے
وہ سب غدیر سے ٹکرا کے چور چور ہوئے

جو حق پرست تھے وہ دار پر چڑھائے گئے
نہ جانے کتنے غریبوں کے گھر جلائے گئے
نقوشِ حق و صداقت جو تھے مٹائے گئے
زبانیں کاٹی گئیں اور لہو بہائے گئے
جو اک مریض کو بیڑی پنھانے آئے تھے
وہ سب غدیر کو قیدی بنانے آئے تھے

ستم گروں سے کہو قتلِ عام کرتے رہیں
نبیؐ کے قول کی تاویل خام کرتے رہیں
جو کر گئے ہیں اب و جد وہ کام کرتے رہیں
ہزاروں ظلم و ستم صبح و شام کرتے رہیں
مگر غدیر کا اعلان رک نہیں سکتا
اٹھا تھا خم سے جو طوفان رک نہیں سکتا

جہاں میں دینِ خدا کا نظام باقی ہے
فضا میں زورِ درود و سلام باقی ہے
صداقتوں کا وہی فیضِ عام باقی ہے
خلیفہ کوئی نہیں ہے امامؑ باقی ہے
کہ وارثِ اسدِ قلعہ گیر زندہ ہے
سقیفہ مر گیا لیکن غدیر زندہ ہے

غدیر ہی کی مہک لالہ و گلاب میں ہے
غدیر ہر دلِ مومن کے اضطراب میں ہے
اسی کی روح ہر آوازِ انقلاب میں ہے
اسی کی رو رگِ ہستی کے پیچ و تاب میں ہے

جو ٹکرا آئے تو باطل کا دم نکلتا ہے
یہ وہ چراغ ہے جو آندھیوں میں جلتا ہے

غدیر عدلِ الٰہی کا رشتۂ معصوم
جہاں میں دینِ خدا ہے غدیر سے موسوم
سمجھ سکا نہ زمانہ غدیر کا مفہوم
غدیر کل بھی تھی مظلوم اب بھی ہے مظلوم
ستم کوئی بھی کرے وہ عدو غدیر کا ہے
کسی کے زخم سے ٹپکے لہو غدیر کا ہے

لیے ہے تیغِ علیؑ قلعہ گیر کا وارث
نمودِ قوتِ نانِ شعیر کا وارث
نبیؐ کا لال، جنابِ امیرؑ کا وارث
نکل کے آئے گا جس دن غدیر کا وارث

زبانِ تیغ بتائے گی عزّ و شانِ غدیر
کہیں پناہ نہ پائیں گے دشمنانِ غدیر

ستم کیے ہیں بہت وقت کے مشیروں نے
مٹائے نقشِ وفا خنجروں نے تیروں نے
حدیثیں ڈھالی ہیں دُنیا کے بے ضمیروں نے
فسانے لکھے ہیں دربار کے اسیروں نے
علیؑ کے لال کا جب ہاتھ تھام لے گی غدیر
ستمگروں سے ضرور انتقام لے گی غدیر

(سنہ ۱۹۹۰ء۔ لکھنؤ)

□□

قطعہ

تھا کبھی روس کا چرچا کبھی امریکا کا
لوگ کہتے تھے یہی سب سے بڑی طاقت ہے
لیکن ایران نے دُنیا سے یہ منوا ہی لیا
عشقِ اولادِ نبیؐ سب سے بڑی طاقت ہے

کاروانِ غدیر

کوہِ فاراں سے چلا وہ کاروانِ انقلاب
آگے آگے مصطفیٰؐ ہیں پیچھے پیچھے بوترابؑ

فکر کے ظلمت کدے میں نور برساتا ہوا
ذہن کی بنجر زمیں پر پھول بکھراتا ہوا

جو قدم اٹھا وہ منزل کا نشاں بنتا گیا
"لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا"

قافلہ تھا اپنی منزل کی طرف یوں گامزن
جیسے دریا کی روانی جیسے سورج کی کرن

راہ پر آنے لگے گمراہ تھے جو آدمی
یوں بدل دیتے ہیں تاریخِ جہاں دو آدمی

سب صنادیدِ عرب ہیبت سے گھبرانے لگے
وادیِ ظلم و جفا میں زلزلے آنے لگے

خلقِ پیغمبرؐ بھی، تیغِ فاتحِ خیبرؑ بھی ہے
یعنی مرہم بھی پئے انسانیت نشتر بھی ہے

جب پیمبرؐ بے زبانوں کو زباں دینے لگے
سنگریزے ہاتھ میں آکر اذاں دینے لگے

روشنی میں نوعِ انساں کا مقدر آگیا
چاند کے ٹکڑے ہوئے سورج پلٹ کر آگیا

ذہن کی دیوار ٹوٹی بابِ خیبر کی طرح
دل میں دروازے کھلے اللہ کے گھر کی طرح

روکنا آساں نہ تھا جب جہل کے طوفان کا
فکرِ انساں کو سفینہ مل گیا قرآن کا

موجِ نفرت میں محبت کے کنول کھلنے لگے
خون کے پیاسے بھی آپس میں گلے ملنے لگے

دیکھ کر اخلاق کی بارش ستم گر چیخ اُٹھے
وزن تھا پھولوں میں کچھ اتنا کہ پتھر چیخ اُٹھے

عِلم و حکمت، زہد و تقویٰ کے جہاں پیدا ہوئے
صرف دو پھولوں سے لاکھوں گلستاں پیدا ہوئے

جس زمیں پر قافلہ پہونچا مناروں کی طرح
خاک کے ذرے چمک اٹھے ستاروں کی طرح

ذوالعشیرہ میں ہوا پہلے پہل اعلانِ حق
یعنی یہ آغاز تھا آئینۂ انجامِ حق

بن گئی ہجرت کی شب دینِ الٰہی کی سحر
بسترِ احمدؐ پہ سوئے شیرِ داورؑ، رات بھر

جو بلندی کی علامت تھا وہ زینہ آگیا
کارواں آگے بڑھا شہرِ مدینہ آگیا

بزمِ پیغمبرؐ میں دیکھو آدمیت کا جلال
یعنی سرداروں کے پہلو میں نظر آئے بلالؓ

آ کے شامل ہوگئے کچھ پیکرِ ناپاک بھی
آبِ جاری میں بہیں جیسے خس و خاشاک بھی

آخرش بدر و اُحد کے معرکے سر ہوگئے
جب اُٹھی تیغِ علیؑ پسپا ستم گر ہوگئے

قافلہ آگے بڑھا خیبر کی منزل آگئی
یعنی سب پیچھے رہے حیدرؑ کی منزل آگئی

جب شکستِ فاش باطل کو ہوئی جنگاہ میں
بد دُعا دینے کو آ پہونچے نصاریٰ راہ میں

تب نبیؐ و فاطمہؑ حسنینؑ و حیدرؑ آگئے
اپنے اہلِ بیتؑ کو لے کر پیمبرؐ آگئے

منزلِ خندق پہ پہنچا جب غدیری کارواں
کُلِّ ایماں بن کے نکلے تب امامِ انس و جاں

سُورۂ توبہ حرم میں لے کے جائے گا وہی
جس نے چوسی ہے زباں قرآں سُنائے گا وہی

فتح مکّہ میں جہالت کے صنم توڑے گئے
پتھّروں کے بُت روایت کے صنم توڑے گئے

آچکا ہے اب وہاں پر کاروانِ انقلاب
انبیاء نے مدّتوں دیکھا تھا جس منزل کا خواب

ہوگیا اعلان جب مولا علیؑ کے نام کا
چہرہ روشن ہوگیا مستقبلِ اسلام کا

مصطفٰےؐ کو تا ابد محمودؐ حق نے کر دیا
حد پہ جب آئے تو لامحدود حق نے کر دیا

ذمّہ دارِ دینِ حقؐ بڑھ کر ولایت ہوگئی
دوسرے لفظوں میں توسیعِ نبوت ہوگئی

□□

مسجد

راحتِ قلبِ رسوؐلِ دوسرا ہے مسجد
اور تمنّائے شہ عقدہ کشا ہے مسجد
جلوہ گاہِ حسنؑ سبز قبا ہے مسجد
حاصلِ معرکۂ کرب و بلا ہے مسجد
خاک کو منزلتِ تاج ملا کرتی ہے
آدمی کو یہیں معراج ملا کرتی ہے

دین ہے گوہرِ نایاب یہ ہے اس کا صدف
خاک اس گھر کی دوا بہرِ شہنشاہِ نجف
دل خوددار کی تعمیر حسیں اس کا ہدف
یہ وہ در ہے کہ جہاں مانگنا ہے وجہِ شرف
لبِ معصوم بھی مصروفِ مناجات ملے
انبیاءؑ بھی یہاں پھیلائے ہوئے ہاتھ ملے

تربیت گاہِ مزاجِ بشری ہے یہ جگہ
دہر میں مرکزِ صاحب نظری ہے یہ جگہ

یعنی اک مدرسۂ دیدہ وری ہے یہ جگہ
ساری آلائشِ باطل سے بَری ہے یہ جگہ

طنز کرتی ہے وہ تاجِ سرِ سلطانی پر
خاک اس در کی جو لگ جاتی ہے پیشانی پر

جب نمازی کوئی اس خاک پہ رکھتا ہے قدم
پیشوائی کے لئے بڑھتا ہے خالق کا کرم
آفریں کہتے ہیں جنت سے رسولِ اکرمؐ
ہوتی ہے رحمتِ معبود کی بارش پیہم

در و دیوار محبت کی صدا دیتے ہیں
ہاتھ اٹھائے ہوئے مینارے دعا دیتے ہیں

(سنہ ۱۹۷۹ء - الہ آباد)

صلحِ حسنؑ

صلح خوشبوئے محبت ہے گلستاں کے لئے
روحِ تہذیب ہے اس عالمِ امکاں کے لئے
صلح اللہ کی رحمت ہے ہر انساں کے لئے
صلح معیارِ شجاعت ہے مسلماں کے لئے

کارِ فرار نہیں یہ بھی ہے کرار کا کام
اہلِ حق صلح سے لے لیتے ہیں تلوار کا کام

صلح شبنم ہی نہیں برقِ شرربار بھی ہے
صبر خاموش بھی ہے جرأتِ انکار بھی ہے
خنکیٔ بزم بھی ہے گرمیٔ پیکار بھی ہے
صلحِ ایماں کے لئے فتح کا معیار بھی ہے

جب کمیں گاہوں سے ناوک فگنی ہوتی ہے
پردۂ صلح میں خیبر شکنی ہوتی ہے

صلح آئینۂ اخلاق و وفا ہے یارو
صلح اسلام کے چہرے کی ضیا ہے یارو
صلح بھی جرأت و ہمّت کی ادا ہے یارو
صلح بھی کفر سے اک طرزِ وغا ہے یارو
صلح کب زورِ الٰہی کی طلب گار نہیں
فرق اتنا ہے کہ اس تیغ میں جھنکار نہیں

سبطِ اکبر ترا اندازِ وغا کیا کہنا
زندہ باد اے حسنِ سبز قبا کیا کہنا
زورِ بازوئے شہِ عقدہ کشا کیا کہنا
اس خموشی پہ ہر آوازِ فدا کیا کہنا

زلزلے آنے لگے بزمِ جفاکوشی میں
کربلا بول رہی ہے تری خاموشی میں

تو نے بتلایا کہ دولت نہیں حق کا مقصود
منحصر صرف حکومت پہ نہیں دیں کا وجود
کثرتِ فوج سے ہوتی نہیں ایماں کی نمود
مال اور زر کو سمجھتے ہیں جو اپنا معبود

تخت اور تاج ہیں ان اہلِ سیاست کے لئے
بوریا کافی ہے نانا کی خلافت کے لئے
صلح ٹھوکر ہے منافق کی سیاست کے لئے
صلح اک ضرب ہے باطل کی حکومت کے لئے
صلح آئینہ ہے ہر چشمِ بصیرت کے لئے
صلح ہوتی ہے مشیت کی ضرورت کے لئے
کفر و اسلام کی پہچان نہیں ہے تجھ کو
معترض صلح کا عرفان نہیں ہے تجھ کو

(۱۹۵۸ء فیض آباد) □□

یہ آبروئے فکر و نظر کا سوال ہے
دکھتا ہے دل کسی کا تمہارا خیال ہے
کہتے ہو اُن کا ذکر نہ ہم برملا کریں
کیا حبِ اہلبیتؑ بھی چوری کا مال ہے

تیسری شعبان

عید ہے توریت کی انجیل کی قرآن کی
عید ہے مقداد کی عمّار کی سلمان کی
عید ہے ہر درد کے مارے ہوئے انسان کی
بڑھ گئی تیرہ رجب سے تیسری شعبان کی

وہ نبیؐ کی اور یہ کُل انبیا کی عید ہے
وہ نجف کی عید تھی یہ کربلا کی عید ہے

ابرِ رحمت ہیں فضائے دہر پر چھائے ہوئے
جنّ و انساں اور ملک پھرتے ہیں اترائے ہوئے
سورۂ کوثر ادھر جبریلؑ ہیں لائے ہوئے
ہیں نبیؐ بیٹی کے آگے ہاتھ پھیلائے ہوئے

گود میں لے کر پیامِ جاوداں دینے لگے
کان میں بچے کے پیغمبرؐ اذاں دینے لگے

ہو مبارک زینتِ محراب و منبر آگیا
ناخدا آیا کہ طوفانوں کو چکر آگیا
نعرہ زن ہیں آیتیں قرآں کا جوہر آگیا
مسجدیں خوش ہیں نمازوں کا مقدر آگیا

حسنِ کردارِ پیمبرؐ کا دوبالا ہوگیا
فاطمہؑ کے گھر سے کعبہ تک اُجالا ہوگیا

(۱۹۷۱ء) □□

قطعہ

ہے پھر آج کے دن بیکس و مجبور کا دن
آج کا دن تو حقیقت میں ہے جمہور کا دن
کیوں نہ لہرائیں بھلا پرچمِ عباسؑ جری
یومِ آزادیِ اسلام ہے جمہور کا دن

مجلسِ حسینؑ

یہ مجلسِ غمِ شبّیرؑ اور یہ فرشِ عزا
یہ سامعینِ مودّت، یہ ذاکرینِ ولا
یہ آنسوؤں کی جھلاجھل، یہ ماتموں کی صدا
یہ ذکرِ حق و صداقت، یہ فکرِ عشق و وفا
یہاں خلوص و نظر کے چراغ جلتے ہیں
تراشے جاتے ہیں دل اور دماغ ڈھلتے ہیں

یہیں ملا ہے سکون و ثبات کا پیغام
نماز و روزہ و حج و زکات کا پیغام
سنایا جاتا ہے اہلِ صفات کا پیغام
یہیں سے نشر ہوا ہے حیات کا پیغام
یہ ایک مرکزِ تعلیم لاالٰہ بھی ہے
یہ فرشِ غم ہی نہیں ایک درسگاہ بھی ہے

ہے عام دعوتِ فکر و نظر سبھی کے لئے
چراغ اشکوں کے جلتے ہیں روشنی کے لئے
ملے گی دولتِ کردار آدمی کے لئے
یہ فرش ایک ضرورت ہے زندگی کے لئے
رگِ حیاتِ صداقت کو خون ملتا ہے
بہن کو چین تو ماں کو سکون ملتا ہے

یہیں پہ اہلِ نظر کو شعور ملتا ہے
بقدرِ ظرف ہر اک کو ضرور ملتا ہے
ستم کشوں کو مزاجِ غیور ملتا ہے
دلوں کو عزم، دماغوں کو نور ملتا ہے
یہیں شکوک کے دھبے شعور دھوتا ہے
یہیں وجودِ خدا کا یقین ہوتا ہے

یہاں غریب کوئی ہے نہ کوئی دولت مند
یہاں ہیں فرقِ مراتب کے سارے رستے بند
نہ پھینک مجلسِ غم میں سیاستوں کی کمند
یہ بزم ہے طبقاتی کشاکشوں سے بلند

نہ اہلِ شام نہ بدر و حنین والے ہیں
یہ بزمِ غم ہے یہاں سب حسینؑ والے ہیں

حسینیت تو ہے خود مرکزِ رَوا داری
سکھائی جاتی ہے اس انجمن میں غم خواری
قدم قدم پہ ہے عشق و وفا کی گلکاری
سفید جھوٹ ہے یہ تہمتِ دل آزاری
کسی کو گالیاں دینا ہمارا کام نہیں
یہ بزم اہلِ محبّت ہے تختِ شام نہیں

□□

(سنہ ۱۹۵۹ء ۔ اعظم گڑھ)

چودہ صدیاں

چودہ صدیاں بیت گئیں شبیرؑ کا چرچا باقی ہے
قرآں اب تک بول رہا ہے خانہ کعبہ باقی ہے
کرب و بلا کا، لے کے سہارا گنبدِ خضرا باقی ہے
سارے جھنڈے ٹوٹ چکے ہیں، حق کا پھریرا باقی ہے
گونج رہا ہے نامِ محمدؐ ذکرِ خدا کا باقی ہے
چودہ صدیاں بیت گئیں شبیر کا چرچا باقی ہے

ان چودہ صدیوں کے اندر چودہ سو طوفان اُٹھے
اموی ہر کارے دوڑے ہیں عباسی سُلطان اُٹھے
لات و ہبل سینوں میں چھپے تھے ہاتھوں پہ قرآن اُٹھے
جن کی بنیادوں میں لہو تھا قصر وہ عالیشان اُٹھے
سب دیواریں بیٹھ گئیں مظلوم کا روضہ باقی ہے
چودہ صدیاں بیت گئیں شبیر کا چرچا باقی ہے

تیغ و تبر نے رستہ روکا فوجوں کی یلغار ہوئی
لعل و گہر نے دام لگائے سکوں کی جھنکار ہوئی
لمبی قباؤں والے اُٹھے فتووں کی بھرمار ہوئی
دیدۂ عبرت تو ہی بتا یہ جیت ہوئی یا ہار ہوئی
سجدے میں سر کاٹ لیا تھا لیکن سجدہ باقی ہے
چودہ صدیاں بیت گئیں شبیرؑ کا چرچا باقی ہے

کیا جانے کن کن قوموں نے ڈیرے ڈالے دریا پر
آئے آکر لوٹ گئے سب گورے کالے دریا پر
اب بھی ملیں گے ٹوٹے ہوئے کچھ خنجر بھالے دریا پر
قبضہ کرنے آئے تھے سب طاقت والے دریا پر
سب کا قبضہ ختم ہوا عباسؑ کا قبضہ باقی ہے
چودہ صدیاں بیت گئیں شبیرؑ کا چرچا باقی ہے

پیاسوں کے انکار کا پتھر مقتل میں تھا کتنا بڑا
لاکھوں فتنے اُٹھے لیکن پھر سرِ بیعت اُٹھ نہ سکا
اب بھی کسی کے دل میں تمنا بیعت کی اُٹھتی ہے ذرا
کہتا ہے عباسؑ کا پرچم فکرِ یزیدی ہوش میں آ

جس نے تجھے مارا تھا طمانچہ دیکھ وہ پنجہ باقی ہے
چودہ صدیاں بیت گئیں شبیرؑ کا چرچا باقی ہے

طاقت پر اِتراتے کیوں ہیں دینِ الٰہی کے دشمن
بیٹھا ہوا ہے پردے میں تلوار لئے اک قلعہ شکن
سلسلۂ عصمت کا خلاصہ، سینۂ گیتی کی دھڑکن
آرزوئے زہراؑ و پیمبرؐ جانِ حسینؑ و روحِ حسنؑ
بدر و اُحد سے بھاگنے والو آخری حملہ باقی ہے
چودہ صدیاں بیت گئیں شبیرؑ کا چرچا باقی ہے

لاکھ مٹاؤ مٹ نہ سکے گا آلِ نبیؐ کا نام و نشاں
لاوارث سمجھو نہ اسے یہ خالقِ اکبر کا ہے مکاں
بیت سے اہلبیتؑ کا رشتہ کیا توڑیں گے اہلِ جہاں
کیا جانے کب بامِ حرم پر گونج اُٹھے آوازِ اذاں
اے کعبہ کے ٹھیکیدارو کعبہ والا باقی ہے
چودہ صدیاں بیت گئیں شبیرؑ کا چرچا باقی ہے

(۱۴۰۲ھ ۔ لکھنؤ)

ثانیِ زہراؑ

سلام عصمتِ زہراؑ کی ورثہ دار سلام
سلام جراَتِ حیدرؑ کی یادگار سلام
سلام مملکتِ غم کی تاجدار سلام
سلام سبطِ نبیؐ کی شریکِ کار سلام

وقارِ مریم و حوّا سلام ہو تجھ پر
سلام ثانیِ زہراؑ سلام ہو تجھ پر

گواہ ہے تری جراَت پہ کربلا کی زمیں
امامِ وقت کو کی تو نے صبر کی تلقیں
لٹا کے اپنی کمائی بچا کے دولتِ دیں
بجھا کے شمعِ تمنّا جلا کے شمعِ یقیں

سکون و صبر کی اک کائنات لیکے چلی
اجل کی گود سے نکلی حیات لیکے چلی

جگر پہ اکبرؑ و اصغرؑ کے داغ اٹھائے ہوئے
ضعیف جسم پہ دُرّوں کے زخم کھائے ہوئے

گرانیِ رسن و طوق آزمائے ہوئے
جو دردِ دل تھا اسی کو دوا بنائے ہوئے

سوئے دمشق چلی حق کی روشنی لے کر
جو مر چکے تھے خود ان کی بھی زندگی لے کر

قدم قدم پہ مقاصد کی عظمتوں کا خیال
نفس نفس میں بھتیجے کی زندگی کا سوال
ردا چھنی تو بڑھا اور عصمتوں کا جلال
کھلے جو بال تو نکھرا حسینیت کا جمال

نقیبِ فتحِ شہِ مشرقین بن کے اٹھی
نہ تھے حسینؑ تو زینبؑ حسین بن کے اٹھی

دلوں پہ ثانیِ زہراؑ یہ تیرا احساں ہے
عطا کیا ہے وہ آنسو جو روحِ ایماں ہے
دیا وہ درد جو ہر دردِ دل کا درماں ہے
ملا وہ زخم جو انسانیت کا عنواں ہے

یہ کس زباں سے کہوں میرے دل کی دولت ہے
غمِ حسینؑ تری دی ہوئی امانت ہے

(سنہ ۱۹۶۰ء۔ اعظم گڑھ)

حامیانِ یزید سے

یہ نظم بدنامِ زمانہ کتاب "خلافتِ معاویہ و یزید" پڑھنے کے بعد لکھی گئی

منقبت فاسق و فاجر کی سنانے والو
چغلیاں اپنے ہی کردار کی کھانے والو
شمعِ تصنیف غلاظت میں جلانے والو
پیرہن لفظوں کا ننگے کو پہنانے والو
شب کو دن کہنے سے ملتی نہیں تنویر کبھی
پاک ہوتا نہیں نہلانے سے خنزیر کبھی

کفر کی مدح کو ایماں کا سبب کہتے ہو
یعنی شیطان کو بھی نائبِ رب کہتے ہو
بات کہنے کی جو ہوتی ہے وہ کب کہتے ہو
اپنے ناپاک خیالوں کو ادب کہتے ہو
اہلِ فن اور کریں اہلِ ستم کی عزت
خاک میں تم نے ملا دی ہے قلم کی عزت

کرتے ہیں اہلِ نظر صاحبِ کردار کی مدح
ایک بدکار ہی لکھ سکتا ہے بدکار کی مدح
کلمہ گو اور جفا کیش و ستمگار کی مدح
شرم سے ڈوب مرو کرتے ہو میخوار کی مدح
اس سے بہتر ہے کہ ترکِ رہِ اسلام کرو
لیکن اس دین کی عزت کو نہ بدنام کرو

دیتے ہو دشمنیِ آلؑ کو تحقیق کا نام
سستی شہرت کے لئے سبطِ نبیؐ پر الزام
جانشیں رحمتِ کونینؐ کا تھا حاکمِ شام؟
کل یہ کہہ دینا کہ فرعون بھی تھا حق کا امام
بولہب ایک پیمبر تھا یہ فرما دینا
اس سے فرصت ہو تو قرآں کو بھی جھٹلا دینا

جانے کرتے ہو کس امید پہ ظالم کی ثنا
کون اس جھوٹ کا انعام تمہیں دے گا بھلا
کس سے مانگو گے بھلا مدحتِ بے دیں کا صلہ
اتنے مردہ بھی نہیں قوم کے جذباتِ حیا

شام و کوفہ میں جو چھلکی تھی وہ دولت بھی نہیں
اب تو دنیا میں کہیں "یے" کی حکومت بھی نہیں

ظلم اور جور کی ٹوٹی ہوئی طاقت ہے یزید
اہلِ بیداد کی سوئی ہوئی قسمت ہے یزید
سہ چکے جس کو مسلمان وہ ذلّت ہے یزید
دھو چکا جس کو زمانہ وہ غلاظت ہے یزید

آج اس نام سے تہذیبِ بشر خالی ہے
اب تو یہ لفظ بھی انساں کیلئے گالی ہے

اب تو ہر قوم میں ملتے ہیں عزادارِ حسینؑ
اب تو ہر ملک میں آباد ہے سرکارِ حسینؑ
ساری دنیا نظر آتی ہے طلب گارِ حسینؑ
جُرم ہے آج کی تہذیب میں انکارِ حسینؑ

سبطِ پیغمبرِ اسلام جو بیعت کرتے
آج تم جیسے بھی دعوائے خلافت کرتے

(سنہ ۱۹۵۸ء۔ اعظم گڑھ)

□□

کربلا

کربلا مدرسۂ سیرت و کردار ہے تو
کربلا روشنیٔ عالمِ افکار ہے تو
کربلا مرکزِ قربانی و ایثار ہے تو
کربلا درس گہِ جذبۂ بیدار ہے تو

تیری محفل سے گزر کر جو ہوا آتی ہے
دلِ زہراؑ کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے

آسماں مانگتا ہے بھیک میں رفعت تجھ سے
مِلتی ہے بیکس و مجبور کو قوت تجھ سے
ڈرتے ہیں آج بھی اربابِ حکومت تجھ سے
کرّۂ خاک کی ہے چرخ پہ عزّت تجھ سے

تو نہ ہوتی تو زمیں اپنی ہوا ہو جاتی
کسی سیارے سے ٹکرا کے فنا ہو جاتی

کون دُنیا میں لگا سکتا ہے قیمت تیری
دلِ مومن کو جگاتی ہے حرارت تیری
اب بھی ہے لشکرِ کُفّار میں ہیبت تیری
کرتا ہے خانۂ کعبہ بھی زیارت تیری

تری وسعت ہے کہاں تک ہمیں بتلاتی ہیں
سجدہ گاہیں تری ہر گھر میں نظر آتی ہیں

کون سا گوہرِ یکتا ترے دامن میں نہیں
صبر و ایثار و محبّت ہو کہ ایمان و یقین
مخزنِ عزمِ شجاعت ہے تیری پاک زمیں
ہیں تری خاک کے ذرّے صفتِ مہرِ مبیں

چودہ صدیوں سے بھکاری ہے زمانہ تیرا
پھر بھی خالی نہیں ہوتا ہے خزانہ تیرا

دین و ایمان کے کھلاتی ہے چمن تیری ہوا
تیرے پانی میں وفا ہے تیری مٹّی میں شفا
تجھ سے ملتا ہے زمانے کو شعورِ سجدہ
ہیں تری خاک کے دانے پۓ تسبیحِ خدا

مِٹ گئے اہلِ ستم بغض و عداوت کر کے
کوئی باقی نہ بچا تجھ سے بغاوت کر کے

نرغہ ہے قوم پہ پھر آج ستم گاروں کا
شور ہے خنجر و شمشیر کی جھنکاروں کا
خون سستا ہے بہت تیرے وفاداروں کا
ہاتھ پھر کاٹ دے بیعت کے طلبگاروں کا

رہ کے خاموش نہ اب دادِ شکیبائی لے
وقت کرتا ہے تقاضا کہ پھر انگڑائی لے

دے دُعا ہم کو کہ پھر عزمِ وفا جاگ اُٹھے
دل میں پھر حوصلۂ صدق و صفا جاگ اُٹھے
صدقۂ عبّاسِؑ دلاور کا وفا جاگ اُٹھے
پیدا ہو ذوقِ عمل خوفِ خدا جاگ اُٹھے

اپنا کردار چمکنے لگے گوہر کی طرح
جونؑ کے رُخ کی طرح حُرؑ کے مقدر کی طرح

کاش پھر اپنی زباں میں وہ اثر پیدا ہو
حکم شعلوں کو جو دے دیں، گُلِ تر پیدا ہو

جو اُتر جائے دلوں میں وہ نظر پیدا ہو
اپنے سینوں میں بھی پیاسوں کا جگر پیدا ہو

اٹھیں پھر ابنِ مظاہر کی جوانی بن کر
آئیں میداں میں بُریرِ ہمدانی بن کر

حاملِ عظمتِ کردار بنا دے ہم کو
غمِ مولاؑ کا عزادار بنا دے ہم کو
پیروِ عترتِ اطہارؑ بنا دے ہم کو
اپنی فردوس کا حقدار بنا دے ہم کو

کِس زباں سے کریں دعویٰ کہ عزادار ہیں ہم
سرد ہے ذوقِ عمل تیرے گُنہ گار ہیں ہم

(سنہ ۱۹۸۹ء لکھنؤ)

□□

قطعہ

بُغضِ عترتؑ ہے جن کے سینے میں
کیا ملے گا اُنھیں مدینے میں
انبیاءؑ اور آلؑ کے ہمسر
فرق ہے خون اور پسینے میں

حسینؑ کا پیغام

اپنے عزاداروں کے نام

میرا پیغام زمانے کو سُنانے والو
میرے زخموں کو کلیجے سے لگانے والو
میرے ماتم سے زمانے کو جگانے والو
کربلا کیا ہے یہ دُنیا کو بتانے والو
دلِ مضطر کے دھڑکنے کی صدا بھی سُن لو
آج اس چاہنے والے کا گِلا بھی سُن لو
یاد تو ہوگا تمھیں کرب و بلا کا وہ مقام
جس کے سنّاٹے میں گم ہمہمۂ لشکرِ شام
میں نے زینبؑ کو دیا تھا دمِ رخصت یہ پیام
لَوٹ کر جانا تو کہنا مرے شیعوں کو سلام
درسِ ایثار و محبّت کا دیا تھا میں نے
زیرِ خنجر بھی تمھیں یاد کیا تھا میں نے

اپنی عظمت کا کچھ احساس تمھیں ہے کہ نہیں
دل کو گرمائے جو وہ پیاس تمھیں ہے کہ نہیں
احترامِ رہِ عبّاس تمھیں ہے کہ نہیں
میرے مقصد کا بھی کچھ پاس تمھیں ہے کہ نہیں

جا کے مسجد میں پیامِ دل و جاں بھی دیتے
نوحہ خواں میرے بنے تھے تو اذاں بھی دیتے

جس چمن کے لئے برسا علیؑ اکبر کا لہو
جس پہ ٹپکا ہے گلوئے علی اصغرؑ کا لہو
بہہ گیا جس کے لئے میرے بھرے گھر کا لہو
کام جس دین پہ آیا ہے بہتّر کا لہو

تم اسی دین کی عظمت کا سبق بھول گئے
میری مجلس تو پڑھی اور مرا حق بھول گئے

دل کو تڑپا نہ سکے جو وہ محبّت کیسی
جس سے شعلے نہ ہوں پیدا وہ حرارت کیسی
میرے مقصد کی نہیں فکر تو الفت کیسی
سرد ہے جوشِ عمل گر تو اطاعت کیسی

جس سے سیراب نہ ہو روح وہ پیمانہ کیا
دور مسجد سے جو کر دے وہ عزاخانہ کیا

فرشِ مجلس پہ یہ آپس میں عداوت کیوں ہے
مرا غم جس میں ہے اس دل میں کدورت کیوں ہے
بھائی بھائی سے ہے نالاں یہ حماقت کیوں ہے
مرے ماتم میں یہ اغیار کی سیرت کیوں ہے

ہوا حملہ کوئی مقصد پہ تو رد کر نہ سکے
میرا ماتم تو کیا میری مدد کر نہ سکے

بے سبب اہلِ محبّت پہ نہ تنقید کرو
ہر غلط بات، غلط فکر کی تردید کرو
میرے اصحاب کے کردار کی تجدید کرو
اپنے کردار سے اُٹھ کر مری تائید کرو

ورنہ اشکوں کی یہ دولت مجھے واپس کر دو
میرا غم میری محبّت مجھے واپس کر دو

(سنہ ۱۹۸۷ء . اعظم گڑھ) □□

زائرینِ کربلا کی خدمت میں

رہِ خلوص و وفا کا سفر مبارک ہو
مقام نور و دیارِ سحر مبارک ہو
خود اپنی آنکھوں سے دیکھا حسینؑ کا روضہ
تمھیں بلندیِ ذوقِ نظر مبارک ہو
جہاں خزاں نہیں آتی ہر اُس چمن میں گئے
زہے نصیب شہیدوں کی انجمن میں گئے

مری نگاہ میں ہو لائقِ زیارت تم
شریکِ محفلِ عرفان رہ کے آئے ہو
قریب آؤ تمھارے قدم کو بوسہ دوں
مرے حسینؑ کے مہمان رہ کے آئے ہو

نظر میں لائقِ صد احترام ہو تم لوگ
کہ زائرینِ شہِ تشنہ کام ہو تم لوگ
شہِ ہدا کی زیارت تمھیں نصیب ہوئی
سعادتوں کی سعادت تمھیں نصیب ہوئی

ہر ایک دل میں ہے حسرت جہاں پہنچنے کی
زہے نصیب وہ جنّت تمھیں نصیب ہوئی
تھے جتنے داغ گناہوں کے صاف کر آئے
مزارِ سبطِ نبیؐ کا طواف کر آئے

جوارِ سبطِ پیمبرؑ میں شب کو پچھلے پہر
دلِ بتولؑ کی دھڑکن سُنائی دی ہو گی
تصوّرات کی آنکھوں کو دوپہر میں ضرور
لبِ فراتِ سکینہؑ دکھائی دی ہو گی
فضا میں خنکیٔ اشکِ رسولؐ تھی کہ نہیں
ہوا میں گرمیٔ آہِ بتولؑ تھی کہ نہیں

خرید لائے ہو یہ سجدہ گاہ اور تسبیح
مگر شعورِ عبادت بھی لائے یا کہ نہیں؟
دیا کھجور کا تحفہ تو شکریہ لیکن
ثبات و شکر کی قوت بھی لائے یا کہ نہیں
کہ اک کرن بھی پئے صبح و شام لا نہ سکے
کفن تو لائے حیاتِ دوام لا نہ سکے

(ستمبر ۱۹۷۱ء ۔ اعظم گڑھ)

ماتمی دستوں سے

پرچم حضرتِ عباسؑ اُٹھانے والو
غمِ شبیرؑ کو سینے سے لگانے والو
مرحبا یاد شہیدوں کی منانے والو
وقت کو درد کا پیغام سُنانے والو
تم عزادار ہو دُنیا کو ہلا سکتے ہو
تخت اور تاج کو ٹھوکر سے اڑا سکتے ہو

تم کو چھانٹا ہے مشیت نے اسی غم کے لئے
منتخب حق نے کیا نوحہ و ماتم کے لئے
تم ہو اک پیکرِ ایثار دو عالم کے لئے
سال بھر رہتے ہو بے چین محرّم کے لئے
جنّ و انساں کی عقیدت کے سزاوار ہو تم
مختصر یہ ہے کہ مولا کے عزادار ہو تم

تم جو رُک جاؤ تو یہ گردشِ دوراں رُک جائے
حادثے خم کریں سر، وقت کا طوفاں رُک جائے
کرۂ خاک ہے کیا نیّرِ تاباں رُک جائے
تم ٹھہر جاؤ تو ہر فکرِ مسلماں رُک جائے
پرچم حضرتِ عباسؑ جری ہاتھ میں ہے
تم اکیلے نہیں زہرؑا کی دُعا ساتھ میں ہے

وہ جیالے ہو جو ڈرتے نہیں طوفانوں سے
ہاتھ تم نے نہ ملائے کبھی شیطانوں سے
صلح کرتے نہیں کج فکر مُسلمانوں سے
تم علم پھینک کے بھاگے نہیں میدانوں سے
جو نہیں رُکتی وہ تلوار ملی ہے تم کو
اُلفتِ حیدرؑ کرّار ملی ہے تم کو

تیغِ عرفاں بھی ہے توحید کی شمشیر کے ساتھ
یا علیؑ کہتے ہو تم نعرۂ تکبیر کے ساتھ
پرورش پائی ہے تم نے غمِ شبیرؑ کے ساتھ
ظلمتیں رہ نہیں سکتیں کبھی تنویر کے ساتھ

نام آجاتا ہے جس وقت عزاداروں کا
دم نکل جاتا ہے بیعت کے طلب گاروں کا

ظلم کے لشکرِ جرّار سے ٹکرائے ہو
کفر و الحاد کی دیوار سے ٹکرائے ہو
روند کر تیروں کو تلوار سے ٹکرائے ہو
تم کہ ہر ظالم و بدکار سے ٹکرائے ہو
یا علیؑ کہہ کے دمِ اشک فشانی تم نے
کر دیا ظلم کے شعلوں کو بھی پانی تم نے

آج کیوں عشق و محبّت کی ادا یاد نہیں
کیا تمھیں معرکۂ کرب و بلا یاد نہیں
ہے جو اپنوں سے عداوت کہ وفا یاد نہیں
اختلافات کے چکّر میں خدا یاد نہیں
غیر تو غیر ہیں اپنوں سے بگڑ جاتا ہے
اب عزادار، عزادار سے لڑ جاتا ہے

ذکرِ مولاؑ میں یہ آپس کی عداوت کیسی
غمِ شبّیرؑ ہے سینے میں کدورت کیسی

بھائی بھائی سے ہے ناخوش یہ حماقت کیسی
ماتمِ شاہ میں اغیار کی سیرت کیسی
عشق و اُلفت کی جگہ بغض کا معیار نہیں
ماتمِ شہ ہے، تماشہ سرِ بازار نہیں

ذکرِ شبّیرؑ میں یہ ظلم و جفا کیا مطلب
انجمن انجمنوں سے ہیں خفا کیا مطلب
بھائی خود کاٹ دے بھائی کا گلا کیا مطلب
اہلِ ایمان کے سینوں میں دغا کیا مطلب
یہ تو اعلان وفاؤں کا ہے سازش تو نہیں
ذکرِ شبّیرؑ عبادت ہے نمائش تو نہیں

اختلافات کی دیوار گرا دو یارو
ہم غلامِ شہِ بیکس ہیں بتا دو یارو
متحد ہو کے زمانے کو ہلا دو یارو
داغ دامن پہ جو آیا ہے مٹا دو یارو
خود ہی ٹکراؤ نہ طوفان کے دھاروں کی طرح
ایک ہو جاؤ الگ رہ کے ستاروں کی طرح

یاد رکھو کہ علمِ حق کا اُٹھانا ہے تمہیں
ابھی سوئی ہوئی دُنیا کو جگانا ہے تمہیں
دوسروں کو بھی رہِ راست پہ لانا ہے تمہیں
مثلِ حُر غیر کو سینے سے لگانا ہے تمہیں
اشتہار اپنی ہی بدنامی کا شائع نہ کرو
قوّتِ ماتمِ شبیرؑ کو ضائع نہ کرو

(۱۹۸۸ء ۔ اعظم گڑھ)

قطعہ

عجیب طرزِ عمل ہے زمانے والوں کا
نہیں سکوں کسی صورت بھی ہونے دیتے ہیں
وہ اِن کے واسطے بدعت تو یہ دلآزاری
نہ ہنسنے دیتے ہیں ظالم نہ رونے دیتے ہیں

علمدارِ کربلا

عبّاسؑ دستِ بازوئے سُلطانِ کربلا
روشن ہے جس سے شمعِ شبستانِ کربلا
جس کے لہو سے سُرخ ہے دامانِ کربلا
جس کی وفا ہے آج بھی عنوانِ کربلا
حُسنِ عمل سے جس نے سنوارا حیات کو
ٹھکرا دیا تھا پیاس میں جس نے فرات کو

جو پاسبانِ شمعِ صداقت ہے آج بھی
جو دامنِ حیات کی دولت ہے آج بھی
جس کا خیال رُوحِ عبادت ہے آج بھی
حاصل وفا کو جس کی حمایت ہے آج بھی
مٹھی میں جس کی آج دلِ کائنات ہے
اب جس کے بازوؤں کی کمائی فرات ہے

جس نے سکھایا دہر کو ایثار کا چلن
جس کے لہو سے پھول کھِلے ہیں چمن چمن

جس کی وفا ہے ملّتِ بیضا کا بانکپن
ہر دل میں جس کا پاک تصوّر ہی ضو فگن
اب تک جہاں میں جس کا علم سر بلند ہے
اسلام جس کے خون کا احسان مند ہے

عبّاسؑ فخرِ نوعِ بشر جانِ مشرقین
امُّ البنین کا لال تو حیدرؑ کا نورِ عین
زینبؑ کے دل کی آس سکینہ کے دل کا چین
صورت میں بوترابؑ تو کردار میں حسینؑ

ایثار کا امام وفا کا رسول ہے
خوشبو بتا رہی ہے کہ عصمت کا پھول ہے

شبّیرؑ فخر کرتے تھے جس کی حیات پر
ہے ثبت جس کی پیاس دلِ کائنات پر
آبِ رواں گواہ ہے جس کے ثبات پر
قبضہ ہے جس کا آج بھی نہرِ فرات پر
مظلوم و دل فگار ہیں جس کی نگاہ میں
ہر دل کی پیاس بجھتی ہے جس بارگاہ میں

(سنہ ۱۹۵۵ء ۔ اعظم گڑھ)

یابن الحسن عج

اے جانشینِ مصطفیٰؐ اے وارثِ خیبر شکن
اے آرزوئے فاطمہؑ! نورِ نگاہِ پنجتن
باقی ہے تیری ذات سے دینِ الٰہی کا چمن
مرکز نشینِ انجمن یابن الحسن یابن الحسنؑ

آہٹ تری ہر موڑ پر جلوہ ہے تیرا کو بہ کو
ارض و سما، جنّ و بشر، پیاسے ہیں سب، ساقی ہے تو
تجھ سے ستاروں میں ضیا تجھ سے فلک کی آبرو
تجھ سے زمیں کا بانکپن یابن الحسنؑ یابن الحسنؑ

ہر عہد کا حاصل ہے تو قبضہ ترا دن رات پر
تاریخ تیرے سامنے، نظریں تری حالات پر

بیعت کریں گے ایک دن سب آ کے تیرے ہاتھ پر
اے عہدِ نو کے بُت شکن یا ابن الحسنؑ یا ابن الحسنؑ

سر پر لوائے حمد ہے کاندھے پہ زہراؑ کی رِدا
اور لب پہ ہے شبیرؑ کے انکارِ بیعت کی صَدا
ہے جسمِ اقدس پر ترے شبیرِ الٰہی کی قبا
محبوبِ حق کا پیرہن یا ابن الحسنؑ یا ابن الحسنؑ

تو ہے تو باقی ہے جہاں، تجھ سے زمین و آسماں
قرآن تیرا ترجماں، آیات تیری مدح خواں
مصروف تیرے ذکر میں حال اور ماضی کی زباں
وَا ہے حدیثوں کا دہن یا ابن الحسنؑ یا ابن الحسنؑ

مانا کہ ہے پھیلی ہوئی بزمِ جہاں میں ابتری
بن جائے گی حرفِ غلط ہر مرحبی و عنتری
اربابِ باطل کیلئے ہے ذُوالفقارِ حیدریؑ
تیری جبیں کی ہر شکن یا ابن الحسنؑ یا ابن الحسنؑ

ڈر ہے نہ اربابِ ہوس ناموسِ ملّت بیچ دیں
دے دیں مدینے کی زمیں مکہ کی عظمت بیچ دیں
بیت المقدس دے چکے کعبے کی حُرمت بیچ دیں
شاطر بہت ہیں اہلِ فن یا ابن الحسنؑ یا ابن الحسنؑ

کعبے کے رکھوالے ہیں یہ، ہے ذات ان کی محترم
قرآن ہاتھوں پر کھُلا اور آستینوں میں صنم
خوں چُوس لیں گے قوم کا جس دن یہ اربابِ ستم
نوچیں گے ملّت کا کفن یا ابن الحسنؑ یا ابن الحسنؑ

یورپ ہو یا ہو ایشیا ملکِ خدا کوئی نہیں
وہ ہیں عرب وہ ہیں عجم، سب ہیں تعصب کے امیں
قوموں نے مل کر بانٹ لی اللہ کی ساری زمیں
دینِ خدا ہے بے وطن یا ابن الحسنؑ یا ابن الحسنؑ

کعبے کا استحصال بھی، کعبے کے خدمت گار بھی
تقسیم کرتے ہیں دُوا لیکن ہیں خود بیمار بھی

فریاد کس سے کیجیے ہیں جبّہ و دستار بھی
عقل و خرد کے راہزن یا ابن الحسنؑ یا ابن الحسنؑ

صدیوں سے جو گمراہ ہیں رستہ بتاتے ہیں ہمیں
علم و عمل سے بے خبر مذہب سکھاتے ہیں ہمیں
عقل و خرد کے نام پر کرتب دکھاتے ہیں ہمیں
بازی گرانِ علم و فن یا ابن الحسنؑ یا ابن الحسنؑ

ہر سانس دیتی ہے صدا جانِ جہاں کب آؤ گے
اٹھتا نہیں اب درد کا بارِ گراں کب آؤ گے
اے رحمتِ معبود کے ابرِ رواں کب آؤ گے
مرجھا رہا ہے ہر چمن یا ابن الحسنؑ یا ابن الحسنؑ

اس عہدِ حاضر کی دوا تیرے سوا کوئی نہیں
اسلام دیتا ہے صدا تیرے سوا کوئی نہیں
اب تو دلوں کا آسرا تیرے سوا کوئی نہیں
ہر لب پہ ہے بس یہ سخن یا ابن الحسنؑ یا ابن الحسنؑ

سمجھے تھے ہم ساحل جسے طوفاں کا دھارا بن گیا
جب بھی اٹھا قصرِ ستم، خوں اپنا گارا بن گیا
روضہ ترے اجداد کا، مقتل ہمارا بن گیا
فریاد اے خیبر شکن، یا ابن الحسنؑ یا ابن الحسنؑ

چھلکا غدیرِ خم میں جو پھر وہ سبو برسے گا کب
بہتا ہے صرف اپنا لہو، خونِ عدو برسے گا کب
اے ذوالفقارِ حیدری! تجھ سے لہو برسے گا کب
ہے کربلا تشنہ دہن، یا ابن الحسنؑ، یا ابن الحسنؑ

قبرِ نبیؐ تاریک ہے اور ضو فشاں ظالم کا گھر
جلتا نہیں اب تو دیا بنتِ نبیؐ کی قبر پر
زہرؑا کی تربت سے صدا آتی ہے یہ شام و سحر
این الحسینؑ این الحسنؑ یا ابن الحسنؑ یا ابن الحسنؑ

□□

آنے والا

اِک روز یہ منظر بدلے گا، اک دن یہ چمن لہرائے گا
گلشن میں چلے گی ایسی ہوا یہ دَورِ خزاں مٹ جائیگا
یہ دھرتی سونا اگلے گی، یہ چرخ گہر برسائے گا
اک دن یہ نظام ظلم و ستم خود ظالم کو رُلوائے گا
خنجر کا کلیجہ کانپے گا، تلوار کا سر چکرائے گا
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا جب آنے والا آئے گا

کیا تیر و کماں کیا نوکِ سناں، کیا گرزِ گراں کیا تیغِ دودم
کیا ٹینک اور کیسے میزائیل، کیا راکٹ کیسے ایٹم بم
سامان ہوس اسبابِ ستم، ریگن کی زباں رشدی کا قلم
انساں کا لہو پینے والے، انسان کی صورت میں یہ صنم
کھل جائے گا ایک اک کا بھرم جب پردہ وہ سرکائیگا
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا جب آنے والا آئے گا

گونجے گی صدائے جاء الحق جب سورج چاند ستاروں سے
کچھ کر نہ سکیں گے اہلِ ستم تب مصنوعی سیاروں سے
ٹکرائیں گے خود ہی آپس میں جب طیارے طیاروں سے
دم بھر میں نکل جائیگی ہوا طاقت کے سبھی غبّاروں سے
جب زورِ الٰہی کا وارث اپنی طاقت دکھلائے گا
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا جب آنے والا آئے گا

ٹوٹے گا طلسمِ لعل و گہر، پھوٹے گا مقدّر ڈالر کا
نیزوں کی چمک بجھ جائے گی، اُڑ جائے گا پانی خنجر کا
اے اہلِ جفا کیوں کرتے ہو چرچا یوں فوج و لشکر کا
تم مرحب و عنتر کے بیٹے، وہ لال ہے شیرِ داور کا
زہرا کی دعا ہے سینہ سپر، کون اس سے بھلا ٹکرائے گا
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا جب آنے والا آئے گا

مانا کہ ابھی ہیں تشنہ دہن صحرا صحرا گلشن گلشن
مانا کہ ہیں صدیوں کے پیاسے یہ لالہ و گل یہ سرو سمن
پتی پتی ہے خشک زباں ڈالی ڈالی ہے تشنہ دہن
اللہ کی رحمت سے لیکن مایوس نہ ہوں اربابِ چمن

وہ بادل اُٹھنے والا ہے جو سب کی پیاس بُجھائے گا
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا جب آنے والا آئے گا

اے وادیٔ نجد کے راہزنو! کیوں ہم کو آنکھ دکھاتے ہو
جو بھیک میں مانگ کے لائے ہو اس طاقت پر اِتراتے ہو
مہماں کا خون بہاتے ہو ایماں کا نقش مِٹاتے ہو
کھاتے ہو پیمبرؐ کا صدقہ اور اُمت پر غُرّاتے ہو
اک روز بُتوں کی طرح تمھیں کعبے سے نکالا جائے گا
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا جب آنے والا آئے گا

ظلمات کی کالی راتوں کا رکھو گے نام سحر کب تک
یہ نشر و اشاعت کے مرکز چھاپیں گے جھُوٹی خبر کب تک
ڈالیں گے حقائق پر پردہ الفاظ کے بازی گر کب تک
یوں مسندِ علم پہ بیٹھیں گے انسان نما پتھر کب تک
کب تک آخر باطل کا گلا دُنیا میں شور مچائے گا
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا جب آنے والا آئے گا

اک روز یہ تم سے پوچھیں گے بیدار مقدر کس کا ہے
کِس کی ہے ہوا کس کا ہے خلا نظمِ مہ و اختر کس کا ہے

کس کا ہے تسلّط صحرا پر، گُلشن میں گُلِ تر کس کا ہے
پانی پہ مُصلّے بچھنے دو تب کہنا سمندر کس کا ہے
جب اپنا سفینہ اُبھرے گا، طوفان کا سر چکرائے گا
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا جب آنے والا آئے گا

یُورپ کی زمیں تھرّاتی ہے رُشدی کی حفاظت کیا ہو گی
فتوے سے تو دُنیا ہلنے لگی، تلوار کی طاقت کیا ہو گی
نائبؒ[1] کی جب اتنی ہیبت ہے آقا کی جلالت کیا ہو گی
بندے کی زباں میں ہے یہ اثر مولا کی حکومت کیا ہو گی
جو زورِ خدا کا وارث ہے کون اس سے آنکھ ملائے گا
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا جب آنے والا آئے گا

جاگے گی غریبوں کی قسمت، دن پلٹے گا رنجوروں کا
کب تک یونہی استحصال کریں گے ظلم و ستم مغروروں کا
کب تک یہ سیاست کی جونکیں چُوسیں گی لہو مزدوروں کا
ٹپکا ہے زمیں پر جتنا لہو مظلوموں کا مجبوروں کا
اُبھرے گا شفق بن کر وہ لہو اور انگارے برسائے گا
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا جب آنے والا آئے گا

[1] امام خمینیؒ

ہے عزمِ خلیلیؑ سینوں میں شعلوں میں پھول کھلا دینگے
ہاتھوں میں نہاں ہے زورِ علیؑ خیبر کا سماں دکھلا دینگے
عباسِؑ دلاور کے وارث ہر اک کی پیاس بجھا دینگے
یہ نسل و ملک و رنگ و وطن کی سب دیواریں گرا دینگے
اس وقت فضائے عالم میں بس ایک علم لہرائے گا
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا جب آنے والا آئے گا

□□

قطعہ

منشا بھی ہے معنیٰ بھی ہے تحریر بھی ہے
آیات کی نکھری ہوئی تصویر بھی ہے
کہنا ہی ہے کافی تو علیؑ کو کہیئے
قاری بھی ہے، قرآں بھی ہے تفسیر بھی ہے

پناہ گاہ

پَلا ہے دینِ خدا ظلم کی گھٹاؤں میں
عجب چراغ تھا کھیلا کیا ہواؤں میں
کبھی رسولؐ کے اخلاق سے سکون ملا
کبھی بتولؑ کی تسبیح کی صداؤں میں
بلند کر دیا شمشیرِ حیدریؑ نے کبھی
اُٹھا کے خیبر و صفین کی فضاؤں میں
علیؑ کے بعد تپش بڑھ گئی جو باطل کی
تو آکے دم لیا صلحِ حسنؑ کی چھاؤں میں
کبھی حسینؑ کے سجدوں نے زندگی بخشی
سکوں ملا کبھی عباسؑ کی وفاؤں میں
مگر کہیں نہ ٹھکانا ملا جو بعدِ حسینؑ
قریب تھا کہ نکل جائے دم جفاؤں میں
یزیدیت کا تسلّط تھا ہر جگہ لیکن
پناہ مل گئی سجّادؑ کی دعاؤں میں

□□ (بنارس)

استغاثہ

الامان الامان یا صاحب الزمانؑ

زلزلے میں ہے زمین ہل رہا ہے آسمان
غرقِ خوں ہے زندگی، آدمی لہو لہان
صرف چند اشکِ غم، بیکسوں کے ترجمان
الامان الامان یا صاحبَ الزمانؑ

ہر بدن لہو لہو ہر قبا ہے تار تار
ہے دوائے دردِ دل صرف تیرا انتظار
تا بکے نیام میں چُپ رہے گی ذوالفقار
اب تو کوئی بھی نہیں اہلِ حق کا پاسبان
الامان الامان یا صاحب الزمانؑ

اے بتولؑ کے سکوں اے رسولؐ کے پسر
اے علیؑ کے لختِ دل اے حسینؑ کے جگر
لے رہی ہے کروٹیں کربلا کی دوپہر

دستِ حُرملہ میں ہے ظلم و جور کی کمان
الامان الامان یا صاحب الزمانؑ

راستے اُداس ہیں رہنما کوئی نہیں
سب رہینِ درد ہیں اور دوا کوئی نہیں
قاتلوں کے شہر میں ہم نوا کوئی نہیں
کھُل چکی ہے ہر طرف کفر و شرک کی دوکان
الامان الامان یا صاحبَ الزمانؑ

صاحبِ دل و نظر حادثات کے اسیر
اہلِ علم و آگہی اپنی ذات کے اسیر
کون دے پیامِ صبح سب ہیں رات کے اسیر
ہر طرف ہے خامشی، کون اٹھ کے دے اذان
الامان الامان یا صاحبَ الزمانؑ

□□

سرزمینِ عراق

نظامِ دار و رسن کو خبر نہیں شاید
شعورِ میثمِ تمّار مر نہیں سکتا
چھری کی دھار سے کٹتی نہیں چراغ کی لَو
بدن کی موت سے کردار مر نہیں سکتا

کفن پہن کے جو میدان میں نکلتا ہے
ہَوا کی زد پہ اسی کا چراغ جلتا ہے

قلم کی آنچ سے بچنا تو پھر بھی آساں ہے
لہو کی آنچ سے دامن بچا نہیں سکتے
خدا کی راہ میں ٹپکا ہوا شہید کا خون
اک ایسی آگ ہے جس کو بجھا نہیں سکتے

نظر میں صورتِ ابنِ زیاد ہے کہ نہیں
یزید و شمر کا انجام یاد ہے کہ نہیں
ضمیر اُمتِ اسلام جاگ اٹھا ہے
نہ کام آئیں گے اب تخت و تاج و فوج و سپاہ

ڈرو ڈرو کہ تہِ تیغ پھر بلند ہوئی
صدائے اشہدُ اَن لا الٰہ الا اللہ
ہزیمتِ ستم و جور کی علامت ہے
یہ ظلم ایک نئے دَور کی علامت ہے
کٹا ہے جب بھی شہیدانِ معرفت کا گلا
مٹی ہے قیصر و افراسیاب کی تاریخ
لہو میں ڈوب چکا ہے قلم مؤرخ کا
لکھے گا وقت پھر اک انقلاب کی تاریخ

خود اپنی آگ میں اہلِ فساد جلتے ہیں
اجل جب آتی ہے چیونٹی کے پَر نکلتے ہیں

وہ نقش خونِ شہیداں جسے بناتا ہے
کوئی مٹا سکے اس کو یہ اختیار کہاں
لہو پیا ہے تو اُگلے گی آگ بھی اک دن
عراق کی یہ زمیں ہے اسے قرار کہاں

حیات، جذبۂ بیدار کی تلاش میں ہے
یہ خاک پھر کسی مختار کی تلاش میں ہے
(۱۹۸۱ء - الہ آباد)

طائفِ کانفرنس

رہنما آئے تھے طائف میں مُسلمانوں کے
بڑھ گئے اور بھی کچھ چاک گریبانوں کے

روز چھپتی تھی خبر وقت کے اخباروں میں
اک نیا جوش ہے اُمّت کے فداکاروں میں

شور کرتے تھے بہت شور مچانے والے
آ گئے بیت مقدس کے بچانے والے

سربراہانِ ممالک کا ہے دم خَم اونچا
ہوگا اب دہر میں توحید کا پرچم اونچا

چھین کر غیروں سے پھر قبلۂ اوّل اپنا
یہ فلسطین پر برسائیں گے بادل اپنا

دلِ اُمّت نے جو چاہا تھا وہ حاشا نہ ہوا
ڈگڈگی بجتی رہی اور تماشا نہ ہوا

محفلِ عیش بھی تھی دورِ مے و جام بھی تھا
ساتھ میں خالدِ جانباز کے صدّام بھی تھا

دامنِ قوم پہ ہیں داغِ ضلالت یہ لوگ
کیا بنائیں گے بھلا قوم کی قسمت یہ لوگ

اپنے بگڑے ہوئے ماحول کے پروردہ ہیں
بندے ہیں تیل کے پٹرول کے پروردہ ہیں

خوفِ امریکہ سے بے حال و پریشاں ہیں یہ
سجدے ریگن کو کریں ایسے مسلماں ہیں یہ

باپ دادا کی طرح وقتِ فرار آ جائے
نام مرحب کا جو سُن لیں تو بخار آ جائے

تخت چھن جائے نہ اِس بات سے گھبراتے ہیں
نام آتا ہے خمینی کا تو ڈر جاتے ہیں

کیوں نہ صدّام کی یہ لوگ حمایت کر لیں
اب بھی مل جائے یزیدان کو تو بیعت کر لیں

(۱۹۸۱ء - بنگلور)

(سنہ ۸۱ء میں ہونے والی طائف کانفرنس کی ناکامی پر)

عریضہ

اے سوارِ اشہبِ لیل و نہار
اے عناں گیرِ سمندِ روزگار

اے دلِ امکان و رُوحِ کائنات
اُنگلیوں میں ہے تری نبضِ حیات

مُدّعائے بزمِ آب و گِل ہے تو
مزرعِ کونین کا حاصِل ہے تو

تجھ سے قائم ہیں زمین و آسماں
تو جو باقی ہے تو باقی ہے جہاں

اے جمالِ مشرقین و مغربین
اے جلالِ خیبرؔ و بدرؔ و حُنینؔ

اے متاعِ کائناتِ آدمی
اے وقارِ زندگی و بندگی

اے ہر اثبات و نفی کے سربراہ
جانِ الّا اللہ و رُوحِ لا الٰہ

کوئی طوفاں تجھ سے پوشیدہ نہیں
کوئی ساحِل تیرا نا دیدہ نہیں

نائبِ حق وارثِ خلقِ عظیم
اے خلیل و اے مسیح و اے کلیم

اے دل و جانِ رسُولِ ذوالمنن
اے علیؑ و اے حسینؑ و اے حسَنؑ

تجھ سے قائم ہے وقارِ زندگی
تجھ کو حاصِل اختیارِ زندگی

پاسبانِ عترتِ قرآں ہے تو
روشنیٔ خانۂ یزداں ہے تو

اے چراغِ دودمانِ مُصطفٰی
اے بہارِ گلستانِ مُصطفٰی

اے امینِ عظمتِ خیرُ البشر
اک ذرا آشوبِ عالم پر نظر

بے مقام و بے سفر ہے زندگی
ظرِ قفس بے بال و پر ہے زندگی

آہ یہ آلام کا بارِ گراں
الحفیظ و الغیاث و الاماں

اندروں ہے یا جہنم زار ہے
جسم کیسا رُوح تک بیمار ہے

خودکشی کی ہے وفا کے نام پر
زہر کھایا ہے دوا کے نام پر

غنچۂ صدق و صفا کھلتا نہیں
دل کی چوکھٹ پر دیا جلتا نہیں

آدمی ہے یا ریاکاری کا نام
زندگی ہے اک اداکاری کا نام

یہ نفاق انگیزیاں ماحول میں
سب چھپے ہیں اپنے اپنے خول میں

ناروائی کو روا کہتے ہیں لوگ
آہ بندوں کو خدا کہتے ہیں لوگ

نحس چہروں کو حسیں کہنا پڑا
گالیوں پر آفریں کہنا پڑا

ہے ادب باطل کی غمّازی کا نام
علم ہے ذہنی قلابازی کا نام

اپنی اپنی شامِ غم کی ظلمتیں
دے گئے اجداد ورثے میں ہمیں

اک طرف ماضی کی یادوں کے کھنڈر
اک طرف پُر ہول مستقبل کا ڈر

اُف یہ تنہائی یہ سنّاٹا یہ رات
لُٹ چکا ہے سازو سامانِ حیات

بند ہر دیوار و دَر ہے کیا کروں
اور جواں ذوقِ سفر ہے کیا کروں

دَرد ہے درد آشنا کوئی نہیں
زخم ہیں لیکن دوا کوئی نہیں

کس قدر تاریک ہے شامِ الم
کس سے مانگیں روشنی کی بھیک ہم

نفس کی پاکیزگی بھی لُٹ نہ جائے
یہ متاعِ آخری بھی لُٹ نہ جائے

اے دلِ عباسؑ اے جانِ علیؑ
بند ہے آبِ فراتِ زندگی

العطش اے ساقیِ کوثر کے لال
العطش اے سبطِ پیغمبرؐ کے لال

وارثِ مشکِ سکینہ العطش
العطش اے میرے مولا العطش

(۱۹۶۴ء اعظم گڑھ)

شہیدانِ حرم

جوارِ کعبہ میں بے گناہ حاجیوں کے قتلِ عام پر

وہ خون جو کہ زمینِ حرم پہ ٹپکا ہے
وہ خون عظمتِ اسلام کی ضمانت ہے
وہ خون سیرت و کردار کی حرارت ہے
وہ خون اب رگِ شعر و سخن میں دوڑے گا
حیات بن کے دلِ فکر و فن میں دوڑے گا
زمیں پہ گر کے کبھی رائیگاں نہیں ہوگا
عمل کی آگ بنے گا دھواں نہیں ہوگا

وہ خون جو کہ زمینِ حرم پہ ٹپکا ہے
نہ رہ سکے گا یونہی خامشی کی منزل میں
وہ خون آگ لگا دے گا قصرِ باطل میں
چراغ بن کے جلے گا رہِ صداقت میں
گلاب بن کے کھلے گا دماغِ ملت میں

دلِ شعور و دماغ و وفا میں دَوڑے گا
وہ خون اب رگِ صدق و صفا میں دَوڑے گا

وہ خون جو کہ زمینِ حرم پہ ٹپکا ہے
دلوں میں عشقِ علیؑ و حسینؑ بھر دے گا
رگوں میں آتشِ بدر و حنین بھر دے گا
شعور کو پَرِ پرواز دے رہا ہے وہ خوں
خدا کے قہر کو آواز دے رہا ہے وہ خوں
فصیلِ درہم و دینار ٹوٹ جائے گی
لہو بہا ہے تو دیوار ٹوٹ جائے گی
وہ خون جو کہ زمینِ حرم پہ ٹپکا ہے
بتا رہا ہے یہ اس دَور کے یزیدوں کو
رکھو نگاہ میں کعبہ کے ان شہیدوں کو

جگر میں گرمئ دشتِ بلا بھی رکھتی ہے
یہ قوم حوصلۂ کربلا بھی رکھتی ہے

□□

واپسی

ایک دانش مند نے اک روز یہ مجھ سے کہا
کیوں خمینی کے ہو تم سب اس قدر مدحت سرا
آکے پیرس سے خمینیؔ نے ہٹا کر شاہ کو
ملتِ ایران کو سو سال پیچھے کر دیا
میں یہ بولا اُن سے ہنس کر، ٹھیک کہتے ہیں مگر
ہے کھٹکتا آپ کو بس سَو برس کا فاصلہ

ہے نوائے امنِ عالم کا جرَس پیچھے ابھی
جائے گا ایران چودہ سو برس پیچھے ابھی

(۱۹۷۹ء - الہ آباد)

□□

شہیدِ ثالث رحمۃ اللہ

اب تک سجی ہوئی ہے نری بارگاہِ علم
ذرّے ہیں آستاں کے ترے مہر و ماہِ علم
سُرمہ برائے اہلِ نظر خاکِ آگرہ
مرقد ہے تیرا راہ بَرِ شاہراہِ علم

اللہ رے کتنا سخت تھا تیرے قلم کا وار
جو حملہ جس جگہ تھا وہیں یادگار تھا
احقاقِ حق کی راہ میں بڑھتے رہے قدم
لفظیں تھیں تیری فوج قلم ذوالفقار تھا

فرضی روایتوں کے جگر کٹ کے رہ گئے
اربابِ جہل علم کے میداں سے ہٹ گئے
فتویٰ دیا کہ حق کے قلم کو قلم کرو
مقتل میں فوج شام کی صورت سمٹ گئے

تو سر کٹا کے میثمِ تمّار بن گیا
ہر قطرہ تیرے خون کا تلوار بن گیا
روضہ ترا حیات کا معیار بن گیا
جنگل تھا کل جہاں وہیں دربار بن گیا

دُنیا سمجھ رہی تھی کہ تو قتل ہو گیا
طوفانِ ظُلم تیرا سفینہ ڈبو گیا
چادر لہو کی اوڑھ کے مقتل میں سو گیا
تیرا وجود اجل کے اندھیروں میں کھو گیا

کاٹی زباں تو زخمِ گلو بولنے لگا
چُپ ہو گیا قلم تو لہو بولنے لگا

(سنہ ۶۷ء۔ آگرہ)

قطعات کی شکل میں معصومین علیہم السلام کی احادیث کا ترجمہ

معصوم آوازیں

خس و خاشاک سے بھی ڈرتا ہے
ظلم خود زندگی پہ کرتا ہے
نہیں پہچانتا امام کو جو
وہ جہالت کی موت مرتا ہے

چھپ کے بادل میں جس طرح سورج
دہر کو روشنی دکھاتا ہے
یوں ہی میرے وجودِ غیبت سے
فیض سارا جہاں اٹھاتا ہے

میں ہٹالوں اگر قدم اپنا
اس زمیں پر وبائیں پھوٹ پڑیں
میں اگر درمیاں سے ہٹ جاؤں
آسماں سے بلائیں ٹوٹ پڑیں

وہ عمل چاہئے تمہیں جس سے
آدمی سر بلند ہوتا ہے
وہ عمل موت کی علامت ہے
جو ہمیں ناپسند ہوتا ہے

وہ مرا اہل ہو کہ دوست مرا
کعبۂ امن ہوں سبھی کے لئے
وجہِ ردِّ بلا ہے میرا وجود
میں ضمانت ہوں زندگی کے لئے

ہر گھڑی تم کو یاد رکھتا ہوں
حاملِ عظمتِ شعور ہوں میں
ایک اک بات کی خبر ہے مجھے
یہ نہ سمجھو کہ تم سے دور ہوں میں

اہلِ ظلم و ستم تو ہیں موجود
کیوں ہراساں ہو ہم تو ہیں موجود

(۱۹۸۸ء۔ بمبئی)

□□

تاریخ کا ایک ورق

کندی تھا ایک عالِم بے دین و بد شعار
قرآں میں تضاد کا بن بیٹھا دعوے دار

یوں علم کے غرور نے اندھا کیا اسے
کہتا تھا اس کتاب میں ہیں نقص بے شمار

آپس میں خود نقیض ہیں آیاتِ کبریا
لفظوں میں ابتری ہے تو معنی میں انتشار

تحریر اس کی قوم کے حق میں تھی تیغِ تیز
لفظیں تھیں اس کی بہرِ مسلماں چھُری کی دھار

بے بس سبھی تھے اس کے دلائل کے سامنے
منہ تک رہے تھے دین و شریعت کے ٹھیکیدار

اربابِ حل و عقد کو کچھ سُوجھتا نہ تھا
کندی تھا پُوری قوم کے اعصاب پر سوار

ہمّت نہ تھی کسی میں جو دیتا اسے جواب
گھر میں چھُپے تھے دین کے سارے دُکاندار

گمُراہ ہو رہے تھے جوانانِ کم نگاہ
قرآن دے رہا تھا دُہائی یہ بار بار

اے وارثِ علومِ الٰہی مدد کرو
اُمّت پھر آج کرتی ہے مجھ کو ذلیل و خوار

آخر اُٹھا رموزِ بلاغت کا آشنا
وہ گیارھواں کتابِ الٰہی کا ورثہ دار

تشریح کی امامِ حسنؑ عسکریؑ نے جب
اعجاز سب پہ ہوگیا قرآں کا آشکار

کندی ہوا جو علم کی موجوں میں غوطہ زن
بڑھنے لگا شعور اُترنے لگا

بولا کہ اب تضاد نظر آ رہا ہے حسن
اے حق کی بولتی ہوئی آیت ترے نثار

علمِ نبیؐ ملا ہے تمہیں آسمان سے
قرآن بولتا ہے تمہاری زبان سے

□

رباعی

تحریکِ عمل کچھ درِ شیون نہ ہوئی
ماتم تو کیا دلوں میں دھڑکن نہ ہوئی

بے کار ہے اے آگ پہ چلنے والو
جب دل میں عمل کی آگ روشن نہ ہوئی

عیدِ تکمیلِ دین

ہزار عیدیں ہوں اس ایک عید پر قرباں
تمام ہو گئی اُمّت پر نعمتِ یزداں

خوشی کا رنگ بھرا زیست کے فسانے میں
خدا کا دین مکمّل ہوا زمانے میں

پیامِ حق کو حیاتِ ابد عطا کر دی
خدا نے اپنی رضا کی سند عطا کر دی

ملا ثبوت کہ اب دین کو زوال نہیں
اور اس کے بعد کوئی منزلِ کمال نہیں

سرور و جشن کی تمہید اور کیا ہوگی
بتاؤ اس سے بڑی عید اور کیا ہوگی

خوشی کا دن کوئی دُنیا میں جو بھلاتے نہیں
سوال یہ ہے کہ یہ عید کیوں مناتے نہیں

بتاؤ تم جو تمہاری سمجھ میں آتا ہے
سبب بس ایک ہماری سمجھ میں آتا ہے

اسی کے ساتھ ہی اولیٰ کا ذکر بھی ہوگا
جو عید ہوگی تو مولاؑ کا ذکر بھی ہوگا

□□

قطعہ

فخر کی منزل وقارِ آدمیت ہے غدیر
ہر نبی کے صبر و قربانی کی قیمت ہے غدیر

ارتقا اک لفظِ بے مفہوم ہے اسکے بغیر
دوستو تاریخِ انساں کی ضرورت ہے غدیر

حبیب ابنِ مظاہر

اے حبیب ابنِ مظاہر اے ضعیف و ناتواں
لاکھ عزمِ نوجوانی تیری پیری پر نثار
ہو نہیں سکتا کبھی بوڑھا اگر ہے حق پرست
یہ سبق دیتا ہے ہم کو تیرا دستِ رعشہ دار
وہ خمیدہ جسم تیرا اور وہ اندازِ جہاد
مطمئن حملوں سے دشمن کی صفوں میں انتشار

نصرتِ حق میں جو راہ امتحانی آگئی
جا چکی تھی جو پلٹ کر وہ جوانی آگئی

□□

کب تک

ستم شعاروں کو چھوٹ دیتی مشیتِ کردگار کب تک
تڑپ کے تیغِ علیؑ پکاری کرے کوئی انتظار کب تک

سمیٹے ہیں جبرئیل شہپر دہائی دیتے ہیں سارے خود سر
کرم کرو فاطمہؑ کے دلبر چلاؤ گے ذوالفقار کب تک

ہنسی وہ زہراؑ کے لب پہ آئی نبی کی امید مسکرائی
علیؑ نے وہ چوم لی کلائی نہ ملتا دل کو قرار کب تک

پیام دیکھو مٹا کے رکھ دی تمام کفر و ستم کی بستی
جسے ہو سب اختیار حاصل رہے وہ بے اختیار کب تک

□□

بضاعتِ رسولؐ

کوئی نمونۂ کردار بھی ضروری ہے
فقط کتاب پہ کافی نہیں مدارِ عمل

یہی ہے وجہ کہ قرآں کے ساتھ ساتھ رسولؐ
بنے تھے خود بھی زمانے میں شاہکارِ عمل

جدا ہیں دین کے احکام عورتوں کے لئے
ہو کوئی ان میں بھی تو وجہِ اعتبارِ عمل

تمام ہوتی نہ حجت پئے نساءِ جہاں
نہ ہوتیں فاطمہ زہراؑ جو ذمہ دارِ عمل

شریکِ کارِ رسالت ہیں فاطمہ زہراؑ
رسولِ حق کی ضرورت ہیں فاطمہ زہراؑ

□□

جو شاعر کو شعورِ عظمتِ کردار ہو جائے
زباں شمشیر بن جائے قلم تلوار ہو جائے

قصائد
و
منقبت

خُلقِ عظیم

تیرا ہی نقشِ دوام کعبہ بھی قرآن بھی
تیری اطاعت کا نام دین بھی ایمان بھی

تیرے ہی مدحت گزار تیرے ہی سیرت نگار
آیۂ تطہیر بھی سورۂ رحمٰن بھی

آکے تیری بزم میں مہرِ مبین بن گئے
یاسر و عمار بھی بوذر و سلمان بھی

تیرے سفینے سے ہیں لرزہ بر اندام سب
بحر بھی منجدھار بھی موج بھی طوفان بھی

فقر تیرا دیکھ کر کہتے ہیں سب الحذر
تاج بھی افواج بھی تخت بھی ایوان بھی

اے شہ بے تخت و تاج ہیں تری پرچھائیاں
پیار بھی ایثار بھی خلق بھی احسان بھی

ہے تیری مدحت گری بہرِ پیامِ اعظمی
طرز بھی اسلوب بھی فکر بھی عنوان بھی

(۱۹۷۰ء ۔ اعظم گڑھ)

□□

رُباعی

منبر پہ جو چنگھاڑ رہے ہو بھائی
دامانِ خرد جھاڑ رہے ہو بھائی
ہم اہلِ عزا کان کے بہرے تو نہیں
کیوں اپنا گلا پھاڑ رہے ہو بھائی

شعورِ شاعر

جو شاعر کو شعورِ عظمتِ کردار ہو جائے
زباں شمشیر بن جائے قلم تلوار ہو جائے

وہ کیسی شاعری جس میں نہ ہو مدحت پیمبرؐ کی
وہ فن کیا جو متاعِ کوچہ و بازار ہو جائے

پئے طبعِ رواں یا ربّ ہو موضوعِ سخن ایسا
لکھوں اک "بیت" اور جنّت میں گھر تیار ہو جائے

پھر اس کا تذکرہ اے شاعرو! اک بار ہو جائے
ملک آ کر زمیں پر جس کا خدمت گار ہو جائے

کبھی گر بے نیام اخلاق کی تلوار ہو جائے
ہو جتنا اسلحہ باطل کا سب بیکار ہو جائے

عیادت کر کے دشمن کی دماغوں کو شفا دیدے
مگر باطل ہمیشہ کے لئے بیمار ہو جائے

دلوں کو جیت لے رن میں دُعائیں دیکے دشمن کو
زمیں پر بیٹھ کر کونین کا مختار ہو جائے

زباں کھولے تو محفل میں لبوں سے آیتیں برسیں
اگر چُپ ہو کے بیٹھے خامشی جھنکار ہو جائے

لبوں کا ہر تبسّم پھول بن جائے زمانے میں
جبیں کی ہر شکن اللہ کی تلوار ہو جائے

جلا دے وقت کے دامن میں عظمت کا چراغ ایسا
چلیں جب آندھیاں تب اور بھی ضَو بار ہو جائے

ہُوا وہ غرقِ طوفاں جس نے چھوڑا آلؑ کا دامن
سفینے تک نہیں پہونچا تو کیسے پار ہو جائے

□□

پیغامِ محمدؐ

پارۂ دل میں رُکے یا رگِ جاں تک پہونچے
دیکھیے نشترِ بیداد کہاں تک پہونچے

دلِ خوددار کی غیرت کا تقاضا ہے یہی
جذبۂ عشق نہ فریاد و فغاں تک پہونچے

مے وہی مے ہے جو ہر شیشۂ دل میں ڈھل جائے
جام وہ جام ہے جو تشنہ دہاں تک پہونچے

دُور تک قافلۂ ظلمتِ شب ٹھہرا ہے
روشنیِ شمعِ محبت کی کہاں تک پہونچے

میری ہمت سے جو ٹکرائے تو خود ڈوب گئے
کتنے طوفاں میری کشتیِ رواں تک پہونچے

اپنا گھر جل گیا کچھ دیر اُجالا تو ہوا
آشیاں لے کے ہمیں برقِ تپاں تک پہونچے

ہم وہ گلہائے صداقت ہیں گلستاں میں ندیم
اور کبھی رنگ پہ آئے جو خزاں تک پہونچے

ہم کہ نکلے ہیں اگر فصلِ بہاراں بن کر
گلستاں ہو گئے آباد جہاں تک پہونچے

اپنی رفتار پہ تاریخ گواہی دے گی
چاند کو روند گئے کاہکشاں تک پہونچے

پھول بن جائیں زمانے کو معطّر کر دیں
خونِ دل میرا جو خاروں کی زباں تک پہونچے

تب ہے زیبا اسے اس عہدِ ترقی پہ غرور
پہلے دنیا مرے قدموں کے نشاں تک پہونچے

آج مجبور ہیں معذور ہیں ناکام ہیں ہم
سلسلے اپنی تباہی کے یہاں تک پہونچے

آہ یہ دن کہ بایں جبہ و دستار و قبا
حضرتِ شیخ بھی ساقی کی دُکاں تک پہونچے

نے مساجد پہ نگاہیں ہیں نہ قرآں پہ نظر
بُت شکن مدحتِ اندازِ بُتاں تک پہونچے

راستے بند ہیں ہر سمت مسلمانوں پر
ایک مجبور کی آواز کہاں تک پہونچے

آج اُمت پہ عجب وقت پڑا ہے سرکار
یہ صدا کاش رسُولِ دو جہاں تک پہونچے

سلسلے مدحِ پیمبرؐ کے یہاں تک پہونچے
میرے اشعار فرشتوں کی زباں تک پہونچے

مدحِ ممدوحِ الٰہی نے سکھائے ہیں مجھے
کس میں ہمّت جو اس اندازِ بیاں تک پہونچے

ذکرِ احمدؐ ہوئے قرآں میں تو آیت ٹھہرے
بن گئے شعر جو شاعر کی زباں تک پہونچے

پیش کرتا ہوں سرِ بزم پھر اک مطلعِ نو
روشنی بن کے جو صاحب نظراں تک پہونچے

جنّ و انساں کا تصوّر بھی نہ واں تک پہونچے
قدمِ صاحبِ معراج جہاں تک پہونچے

دو کماں کہہ کے رکھا خود ہی خدا نے پردہ
کون بتلائے کہ سرکار کہاں تک پہونچے

کیا بڑی بات ہے معراج پیمبرؐ کے لیے
اسی منزل سے تو آئے ہیں جہاں تک پہونچے

ذرا احمدؐ پہ چلو چاند پہ جانے والو!
چاند خود آئے گا تم تک جو یہاں تک پہونچے

آج تک سیرتِ سلمانؓ و ابوذرؓ ہے گواہ
بن گئے وہ جو رسولِ دوجہاں تک پہونچے

جلوہ گر کر چکے جب اپنے اَب و جد کا چمن
رحمتیں لیکے حلیمہؓ کے مکاں تک پہونچے

اپنی غربت میں بھی بھر بھر دیئے دامن ان کے
جب یتیمانِ عرب تیرے مکاں تک پہونچے

کھائے پتھّر تو محبّت سے دعا دینے لگے
زخم لگتے رہے شکوے نہ زباں تک پہونچے

غیر آئے تو بٹھایا ہے عبا پر اپنی
اور عیادت کے لئے دشمنِ جاں تک پہونچے

جھک گئے ظلم کے سر مٹ گیا ظالم کا غرور
لے کے اخلاق کی تلوار جہاں تک پہونچے

تیرا گھر جس پہ تصدّق ہو فلک کی رفعت
سجدہ کرنے کو ستارے بھی یہاں تک پہونچے

تیرا بھائی جو تیرے دین کا رکھوالا تھا
جس کی عظمت کو نہ انساں کا گماں تک پہونچے

تیری بیٹی کی سخاوت کی کہانی سن کر
بھیک لینے کے لئے اہلِ جناں تک پہونچے

تیرے بیٹے ہیں تیرے دین کی رونق جن سے
تیرا پیغام لیے نوکِ سناں تک پہونچے

ترا اسلام صداقت ہی جہاں تک پھیلے
تیرا پیغام محبّت ہے جہاں تک پہونچے

کیا صلہ دے گا کوئی مدحِ پیمبرؐ کا پیام
یہ بھی کم ہے کہ جو ہم باغِ جناں تک پہونچے

□□

قطعہ

خون برسا ہے شہیدوں کا جو طیّارے سے
آگ بن جائے گا اربابِ سیاست کے لئے
دھوم سے اُٹھے گا ظالم کا جنازہ اک دن
قبر تیّار ہے ریگن کی حکومت کے لئے

خُلقِ عظیم

اے صلِّ علیٰ زیرِ قدم چرخِ بریں ہے
لیکن تری معراج کی حد وہ بھی نہیں ہے

اُڑتی ہے تری گردِ سفر بن کے مہ و مہر
واقف تری عظمت سے فلک ہی نہ زمیں ہے

ہر موجِ نفس ہے پئے اُمّت دمِ عیسیٰ
ہر نقشِ قدم کعبۂ اربابِ یقیں ہے

دشمن ہیں ترے کیسی کشاکش میں گرفتار
منکر ہیں رسالت کے صداقت کا یقیں ہے

اخلاق کی ضربوں سے فنا لشکرِ کیں ہے
فاتح ہے مگر ہاتھ میں تلوار نہیں ہے

اس سیرتِ اقدس کی مثال اور کہیں ہے؟
کونین کا آقا ہے مگر خاک نشیں ہے

آیات کو مفہوم ترے گھر سے ملا ہے
قرآں تری عترت سے الگ کچھ بھی نہیں ہے

جھولا ترے بچّوں کا جھلاتے ہیں فرشتے
دربان ترے دربار میں جبریلِ امیں ہے

اسلام ہے زندہ ترے بیٹوں کے لہو سے
شاہد ترے ایثار پہ مقتل کی زمیں ہے

باقی ترا پیغامِ عمل نوکِ سناں پر
زندہ تری آواز تہِ تیغِ لعیں ہے

تخیّل کے پر جلتے ہیں اِس راہ گزر میں
مدّاحیِ ممدوحِ خدا کھیل نہیں ہے

جن لوگوں نے چھوڑا ہے پیامِ آلؑ کا دامن
ان لوگوں کی قسمت میں نہ دُنیا ہے نہ دیں ہے

ممدوحِ خدا

بے صدا اب تو عنصرِ قدسیت کا ساز ہے
تیری دربانی فرشتوں کے لئے اعزاز ہے

عرش تک بس ذہنِ انساں کی حدِ پرواز ہے
کون بتلائے کہاں تک جلوہ گاہِ ناز ہے

کون بھولے گا یہ ہم آہنگیِ قول و عمل
تیری سیرت تیری سچائی کی خود غمّاز ہے

رجعتِ خورشید اور شقّ القمر کا ذکر کیا
تیری پوری زندگی اعجاز ہی اعجاز ہے

ہر صدا ٹکرا کے گوشِ دہر سے مٹتی گئی
آج تک گونجی ہوئی لیکن تیری آواز ہے

ہے محمدؐ ابتدا اور انتہا کونین کی
تو ہی ہر انجام ہے اور تو ہی ہر آواز ہے

تربیت تیری ملی جس کو وہ تجھ سا ہو گیا
اور تری تعلیم سلمانؑ و ابوذرؑ ساز ہے

کم نہیں ہے ذوالفقارِ حیدری سے تیرا حلق
فرق اتنا ہے کہ یہ شمشیرِ بے آواز ہے

وہ حبش کا رہنے والا ہو کہ فارس کا پسر
جو بھی تیری بزم میں آیا وہی ممتاز ہے

مرتضیٰؑ کی ضرب ہو کہ فاطمہؑ کا صبر ہو
یہ بھی تیرا طرز ہے وہ بھی ترا انداز ہے

دے گئے ہیں تیرے بیٹے اتنی خیراتِ عمل
دامنِ حق میں بہت کچھ اب بھی پسِ انداز ہے

جس نے تیرا حق چھپایا قابلِ لعنت بنا
تیرے حق پر سر دیا جس نے وہ سرافراز ہے

حق یونہی قائم رکھے قرآن و اہلبیتؑ کو
یہ بھی تیرا معجزہ وہ بھی ترا اعجاز ہے

یہ جو باقی ہے تو اردو کو مٹا سکتا ہے کون
ذکر تیرا خود ادب پرور، سخن پرداز ہے

دے گی کیا عزت یہ دنیا ہم کو آخر اے پیام
مدحِ ممدوحِ خدا سب سے بڑا اعزاز ہے

□

قطعہ

دل میں امت کے غم کا داغ بھی ہو
ضو فگن علم کا چراغ بھی ہو

سر پہ جتنا بڑا ہے عمامہ
کاش اتنا بڑا دماغ بھی ہو

آج ہے

اور بھی بدتر ترے رندوں کی حالت آج ہے
کل شرابی تھے لہو پینے کی عادت آج ہے

آدمی کے غم میں رو دینا بھی بدعت آج ہے
کس قدر مظلوم رُوحِ آدمیت آج ہے

تیرے دیوانے ہیں تیرے شہر میں خود اجنبی
غیر کے قبضے میں دربارِ محبت آج ہے

جا کے بازاروں میں مٹّی کے بھی لگ جاتے ہیں دام
ہائے اک جنسِ وفا بے قدر و قیمت آج ہے

درد اُٹھتا ہے مگر درد آشنا کوئی نہیں
ہر دلِ بیمار محتاجِ عیادت آج ہے

اور کیا ہو گی بھلا اب اہلِ دل کی بے بسی
نام بھی ظالم کا لے لینا قیامت آج ہے

لوگ قرآں کی خموشی کو بنائے ہیں مذاق
پردۂ تاویل میں ردِّ صداقت آج ہے

کون توڑے یہ طلسمِ کفر و شر اس دور میں
پھر ترے جیسے محمدؐ کی ضرورت آج ہے

شکوۂ حالات کر لینا کبھی پھر اے پیام
چاردہ صد سالہ بعثت کی مسرّت آج ہے

کچھ جو باقی احترامِ آدمیت آج ہے
یہ بھی تو احسانِ سرکارِ رسالت آج ہے

چودہ صدیوں قبل کی تعلیم ہی کا ہے اثر
محترم ہر قوم و ملّت میں جو عورت آج ہے

اب تو ہے ہر اک مساواتِ بشر کا دعویدار
عام کتنا تیرا پیغامِ محبت آج ہے

تیرے بیٹے وہ محمّد اپنے اپنے دور کے
خون جن کا غازۂ رُوئے صداقت آج ہے

بعد تیرے کر دے گئے ہیں اتنی خیراتِ عمل
جس سے مالا مال دامانِ شریعت آج ہے

بے پر و بالی میں بھی مغرُور ہے کتنا پیام
مدحِ پیغمبرؐ کی دامن میں جو دَولت آج ہے

□

قطعہ

سوچا تھا لعینوں نے تقدیر بدل دیں گے
قرآن نہ بدلیں گے تفسیر بدل دیں گے

لیکن نہ سمجھے تھے کٹوا کے گلا اپنا
تاریخ کا رُخ اک دن شبیرؑ بدل دیں گے

تاجدارِ زندگی

موت راہِ زندگی میں انتہائے کار ہے
یہ تصوّر ہی غلط ذہنوں کی پیداوار ہے

زندگی صدق و صفائے شخصیت کا ہی ظہور
موت کیا ہے آدمی کی پستیِ کردار ہے

دیکھ لو جا کر شہیدانِ وفا کی بزم میں
سونے والے سو رہے ہیں زندگی بیدار ہے

قطرۂ خونِ جگر سِل کو بنا دیتا ہے دل
جلوہ گر تعمیر میں خونِ رگِ معمار ہے

لہلہاتا ہے لہو میں ڈوب کر نخلِ حیات
زندگی کو مردِ مومن کا جگر درکار ہے

زندگی جس کی ہے اس کے واسطے بچّوں کا کھیل
حلقۂ زنجیر ہے، زہراب ہے، تلوار ہے

رنج و راحت کی کشاکش میں نکھرتی ہے حیات
اشرفُ المخلوق ہونے کا یہی معیار ہے

ہر نفس میں چاہیۓ شعر و ادب کا رکھ رکھاؤ
زندگی بھی ایک فن ہے آدمی فن کار ہے

چلتی پھرتی لاش کو کیوں زندگی کا نام دوں
زندہ رہ لینا ہے آساں زندگی دشوار ہے

سیم و زر سے زندگی کی قدر و قیمت کو نہ تول
اصل میں مفلس وہی ہے جس کا دل نادار ہے

زندگی تقدیسِ پیوندِ ردائے فاطمہؑ
زندگی نانِ جوینِ حیدرِ کرّارؑ ہے

زندگی کہتے ہیں جس کو کربلا والوں سے پوچھ
زندگی سوکھے لبوں کی جرأتِ انکار ہے

زندگی دوشِ نبیؐ پر مسکرا دینے کا نام
زندگی نوکِ سناں پر شوخیِ گفتار ہے

زندگی کی معرفت بھی کس قدر دشوار ہے
گاہ پھولوں کی نزاکت ہے کبھی تلوار ہے

زندگی میں کچھ مقام ایسے بھی آتے ہیں جہاں
راستہ کوئی نہیں ہے بس چھری کی دھار ہے

تھام لے دامن محمدؐ کا تو بیڑا پار ہے
ورنہ اس دریا میں بس منجدھار ہی منجدھار ہے

اے حبیبِ کبریا اے تاجدارِ زندگی
ہے وہی زندہ جو تیرے عشق میں سرشار ہے

وہ ابو طالب کا گھر ہے، وہ حرا کا غار ہے
زندگی ہی زندگی ہے تو جہاں ضو بار ہے

پیٹ پر پتھر ہیں اور کونین کا مختار ہے
تیری سچائی پہ شاہد خود ترا کردار ہے

خود ہی رُک جائیں گے پتھر پھینکنے والوں کے ہاتھ
دستِ اقدس میں ترے اخلاق کی تلوار ہے

وہ ترے اصحاب جن پر فخر کرتی ہے حیات
جن کے کاندھے پر متاعِ زندگی کا بار ہے

وہ مؤذّن وہ حبش کا رہنے والا وہ بلالؓ
جس کے چہرے کی سیاہی مطلعِ انوار ہے

وہ تری ازواج باعظمت کہ جن کی زندگی
ازدواجی زندگی کا طُرّۂ دستار ہے

خرچ ہو کر راہِ حق میں اور بڑھتی ہی رہی
وہ خدیجہؓ جن کی دولت، دولتِ بیدار ہے

اُمِّ سلمہؓ، جن کی رُوحِ پاک پر لاکھوں سلام
سیّدہؑ کے حق میں ماں کی طرح جن کا پیار ہے

تیرے اہلبیتؑ پہ صدقے متاعِ زندگی
خود عقیدت مند جن کی عظمتِ کردار ہے

وہ ترا بھائی وہ تیرا نفس، وہ تیرا وصی
لافتیٰ ہے شیرِ حق ہے، حیدرِؑ کرّار ہے

جس کی مدحت میں وہ لذّت ہے کہ محوِ گفتگو
نوکِ خنجر پر زبان میثمِ تمّار ہے

اور وہ بیٹی تیری، تیری بضاعت، تیرا دل
صبر جس کا زندگیِ حق کا ذمّہ دار ہے

وہ ترے فرزند وہ تیری رسالت کے امیں
تیری سیرت ہے سبھی میں تیرا ہی کردار ہے

خوں کی چھینٹوں سے جگا کر سو گئے ہیں اس طرح
آج تک قسمت ترے اسلام کی بیدار ہے

اے رسولؐ دوسرا، اے رحمتٌ للعالمین
تیری ہی بخشش ہوئی یہ گرمیٔ گفتار ہے

رکھ کے دامن میں محبت تیرے اہلبیتؑ کی
کیسے کہہ سکتا ہوں تیرا مدح خواں نادار ہے

شرم آتی ہے وہ دامن کیسے پھیلاؤں کہیں
جمع جس میں اشکِ غم کی دولتِ بیدار ہے

آرزو کوئی نہیں ہے اس دلِ مغرور کی
بس غمِ شاہِ شہیدانِ وفا درکار ہے

بہرِ دربانی ملائک، اور پئے مدحت پیام
اس کو وہ خدمت ملی ہے جس کا جو معیار ہے

○

قطعہ

لشکروں پر ایک پیاسے کی چڑھائی دیکھ لے
کفر سے اسلام کی زور آزمائی دیکھ لے

کھنچی تھی رن میں تڑپ کر حضرتِ قاسمؑ کی تیغ
صلح دیکھی تھی حسنؑ کی اب لڑائی دیکھ لے

پتھر بول اٹھتا ہے

چراغِ آگہی یوں عہدِ حاضر نے جلایا ہے
اندھیرا ہے گھروں میں اور سڑکوں پر اجالا ہے

جو رشتہ فکرِ نو کا ساقیِ کوثر سے ٹوٹا ہے
سمندر میں کھڑا ہے آدمی اور پھر بھی پیاسا ہے

جسے دیکھو پریشاں ہے جسے دیکھو بھٹکتا ہے
مدینے میں زمانہ اپنی منزل چھوڑ آیا ہے

رہا کشکول خالی علم و حکمت کے محلوں میں
نہ جانے کتنے دروازوں کو ہم نے کھٹکھٹایا ہے

عجب دستور ہے اے دوستو! اپنے زمانے میں
سزا مقتول کو اور خوں بہا قاتل کو ملتا ہے

ہمیں جھکنے نہیں دیتا سہارا تیری الفت کا
کہ اس دنیا میں ہر چوکھٹ کو سجدوں کی تمنا ہے

بتایا تو نے سچائی کا دعویٰ کرنے والوں کو
اثر وہ ہے صداقت میں کہ پتھر بول اٹھتا ہے

وہ خیبر ہے وہ خندق ہو وہ یثرب ہے وہ بطحا ہے
جہاں بھی نقشِ پا چھوڑا ہے تو نے، جگمگاتا ہے

ہزاروں کروٹیں بدلیں نظامِ فکر نے لیکن
مؤذن آج بھی مسجد میں تیرا نام لیتا ہے

مٹے شاہوں کے افسانے، پہ تیرا ذکر ہے زندہ
وہ تھے تاریخ میں مرقوم یہ ذہنوں میں لکھا ہے

نظر تاریخ کی دیکھ آئی ہے مکّے کی گلیوں میں
کرم کا پھول کیسے ظلم کے شعلوں میں کھلتا ہے

زہے وہ کافرِ بے دین، قبا پر جس کو بھلایا
ہے تُف اس کلمہ گو پر جس کو محفل سے نکالا ہے

کدھر جاتی ہے اُمّت دیکھتا ہے دیدۂ عبرت
اُدھر تختِ خلافت ہے اِدھر تیرا جنازہ ہے

طلوعِ اسلام

درد کی سوغات پائی غم کی دولت مل گئی
اے دلِ بیدار تجھ کو تیری قیمت مل گئی

چند اشکوں کے سوا کچھ بھی نہیں کشکول میں
پھر بھی ہوں مغرور جیسے بادشاہت مل گئی

لفظِ بے معنی کو معراجِ بلاغت مل گئی
خاک کے پیکر کو روحِ آدمیت مل گئی

کس قدر مہمل تھی اب تک نوعِ انساں کی حیات
آج اس بے کار شے کو معنویت مل گئی

بے کس و مجبور کو بخشی گئی روحِ عمل
ناتوانوں کو متاعِ عزم و ہمّت مل گئی

تھا عرب کو آج تک اپنی زباں دانی پہ ناز
اب تو پتھر کو بھی گویائی کی طاقت مل گئی

کروٹیں لینے لگی صحرا میں رُوحِ گلستاں
ریگ زاروں کو نویدِ ابرِ رحمت مل گئی

بن گئی دنیا کسی کی دین کوئی پا گیا
اپنے اپنے مال کی ہر اک کو قیمت مل گئی

غیر نازاں ہوں کہ اس دنیا کی دولت مل گئی
ان کو کیا پروا جنھیں تیری محبّت مل گئی

معجزے کو معجزہ آیت کو آیت مل گئی
تجھ کو قرآں مل گیا قرآں کو عترت مل گئی

کس قدر کم ہے مسافت جادۂ حق کی پیام
بابِ اہلِ بیت تک آئے کہ جنّت مل گئی

□□

رحمۃ للعالمین

پھیکی پھیکی صبح ہے اور سُونی سُونی شام ہے
تیرے دامن میں بھی اے گردشِ ایام ہے

آج بھی اپنے چمن پر ظلمتِ آلام ہے
صبح آنکھوں میں ہوئی لیکن دلوں میں شام ہے

جذبۂ صدق و صفا اب موردِ الزام ہے
عظمتِ انسانیت بدنام تھی بدنام ہے

عزم اخلاق و محبت اک خیالِ خام ہے
اس کا چرچا تو ہے لیکن بس برائے نام ہے

کنبۂ آدم سے چھلکی پڑ رہی ہے کائنات
آہ لیکن آدمیت اک خیالِ خام ہے

اس قدر مایوس کیوں تو اے دلِ ناکام ہے
صفحۂ ہستی پہ زندہ آج بھی اسلام ہے

پینے والے ہوں تو ساقی کا وہی اکرام ہے
میکدہ آباد ہے گردش میں اب بھی جام ہے

بن کے آیا تھا جو دُنیا میں کبھی خُلقِ عظیم
جلوہ گر بزمِ جہاں میں اب بھی اسکا نام ہے

کون وہ انسانیت کا ذمہ دارِ آخری
نوعِ انساں کے لئے قدرت کا جو انعام ہے

جس کا ہر نقشِ قدم ہے کعبۂ علم و یقیں
ہر مقدس سانس جس کی حاصلِ ایام ہے

تیری کمزوری کہ تو اب تک جو تشنہ کام ہے
یہ صراحی ہے یہ ساغر ہے یہ خم یہ جام ہے

میکدہ ہے یاں نہیں کچھ امتیازِ نسل و رنگ
سب پہ یکساں ساقیِ رحمت کا فیضِ عام ہے

رحمۃٌ للعالمیں ہے میرے میخانہ یہاں
آچلا آ در حقیقت تو جو مے آشام ہے

آدمیت کی بہار اک ایک میکش ہے یہاں
ہے گراں قیمت بہت یہ مے مگر بے دام ہے

آ بتاؤں تجھ کو کیا شے مذہبِ اسلام ہے
ایک ترقی یافتہ انسانیت کا نام ہے

ضابطہ ہے زندگی کا اور بالفاظِ دگر
مسند آرائے ازل کا آخری پیغام ہے

دولتِ کردار سے انسانیت ہے مالا مال
آمنہ کے لال کا ادنیٰ سا یہ اکرام ہے

سہمی سہمی اس طرح کیوں گردشِ ایام ہے
اے تعالی اللہ لبوں پر آج کس کا نام ہے

کوئی سلماں بن گیا کوئی ابوذر بن گیا
تیرے در پر آنے والا نازشِ اقوام ہے

غازۂ رُوئے صداقت جس کے فرزندوں کا خون
مرضئ دینِ خدا بھائی کا جس کے نام ہے

اے حبیبِ کبریا تیرا ہر اک ادنیٰ غلام
ارتقاءِ نوعِ انسانی کی حدِّ تام ہے

جس کا ذکرِ پاک ہے سرمایۂ انسانیت
ایک چراغِ معرفت دُنیا میں جس کا نام ہے

زندہ تر دینِ خدا ہے جانشینوں سے تیرے
ضو فگن آغاز تھا اور جلوہ گر انجام ہے

ایک اُنگلی کے اشارے سے جو کر دے شق قمر
اُسکے ہاتھوں کو بھلا تلوار کا کیا کام ہے

چاند سُورج بن کے اُڑتی ہے تری گردِ سفر
کہکشاں تیرے غبارِ کارواں کا نام ہے

قوم کی حالت پہ کیوں مایوس ہو تم اے پیام
پردۂ غیبت میں اب بھی وارثِ اسلام ہے

عرفانِ رسالتؐ

منزل ہے کدھر اور کدھر دیکھ رہے ہیں
ہم آپ کا اندازِ نظر دیکھ رہے ہیں

ان کو بھی ہے اب دعوئ عرفانِ رسالت
پروردۂ شب خوابِ سحر دیکھ رہے ہیں

کچھ اشک کے قطرے ہیں تو کچھ داغِ محبّت
کیوں لوگ مرا زادِ سفر دیکھ رہے ہیں

بے لاگ چلاتے ہیں وہ تیرِ ستم و جور
دل دیکھ رہے ہیں نہ جگر دیکھ رہے ہیں

کب حشر پہ موقوف ہے دیدارِ الٰہی
دُنیا ہی میں اربابِ نظر دیکھ رہے ہیں

یہ کس کی دُعاؤں کا اثر دیکھ رہے ہیں
اک عالمِ رحمت ہے جدھر دیکھ رہے ہیں

آئینِ فلک زیر و زبر دیکھ رہے ہیں
انگلی کے اشارے کا اثر دیکھ رہے ہیں

تا حشر سلامت رہیں یہ گیسو و عارض
نکھری ہوئی ہر شام و سحر دیکھ رہے ہیں

غربت کا نہ فاقوں کا اثر دیکھ رہے ہیں
وا بابِ کرم آٹھ پہر دیکھ رہے ہیں

فاتح ہے مگر ہاتھ میں تلوار نہیں ہے
اخلاق کی ضربوں کا اثر دیکھ رہے ہیں

ہے کتنا مبارک شبِ ہجرت کا اندھیرا
مکّے میں دو عالم کی سحر دیکھ رہے ہیں

سویا ہے کوئی بسترِ محبوبِ خدا پر
جاگی ہوئی تقدیرِ بشر دیکھ رہے ہیں

دنیا میں نہیں کوئی محمدؐ جو پیام آج
جھک جھک کے کسے شمس و قمر دیکھ رہے ہیں

□□

مدحِ رسولؐ

سکوں اک حرفِ مہمل صفحۂ عمرِ بشر میں ہے
جو اپنے گھر میں ہے بیٹھا ہوا وہ بھی سفر میں ہے

دھماکہ خیز منظر ہوگا سینہ چیر کر دیکھو
کہ اک طوفان ان خاموش ذرّوں کے جگر میں ہے

نہیں ٹھہراؤ کا لمحہ کوئی اس کارخانے میں
روانی موجِ دریا میں ہے اور گردش بھنور میں ہے

عمل سے ہوتا ہے ہر چیز کی قیمت کا اندازہ
ملے گا دام اتنا ہی تڑپ جتنی گہر میں ہے

جو ہو ذوقِ عمل تو مختصر وقفہ بھی ہے کافی
ہوئی معراج اور جنبش ابھی زنجیرِ در میں ہے

جہنم انحرافِ سیرتِ خیر البشرؐ میں ہے
جسے فردوس کہتے ہیں نبیؐ کی رہگذر میں ہے

نہ کر انکار یوں اولادِ پیغمبرؐ کی عظمت کا
اُٹھا کر دیکھ لے اے بے خبر قرآن گھر میں ہے

اُتر آتا ہے تارا خود درِ آلِ پیمبرؐ پر
وہ ہونگے اور قسمت جن کی تاروں کے اثر میں ہے

قسم شمس و قمر کی اسلئے کھائی ہے قرآں نے
نبوّت اور امامت کی ضیا شمس و قمر میں ہے

قمر شق ہو گیا، ڈوبا ہوا سورج پلٹ آیا
زمیں کی بات کیا خود آسماں ان کے اثر میں ہے

نواسے خلد کے سردار، بھائی ساقیٔ کوثر
فضیلت ساری دُنیا کی تری بیٹی کے گھر میں ہے

ترے اخلاق کی ضربوں سے ٹکرائے گا کیا کوئی
نہ خم شمشیر و خنجر میں نہ دم تیغ و تبر میں ہے

سرورِ کائنات

تیری بخششوں کا بھی شکریہ کہ مجھے طلب سے سوا دیا
میری جراتوں کو بھی مرحبا تیرا نام لے کے لٹا دیا

یہ بلاکشوں کا تھا حوصلہ کہ جو خونِ دل بھی ملا دیا
جو شراب تند تھی پہلے ہی اسے اور تیز بنا دیا

مجھے کیوں ہو شکوۂ مفلسی مرے گھر میں کب ہوئی تیرگی
جو ملی کہیں سے نہ روشنی تو چراغ دل کا جلا دیا

مجھے فکرِ سود و زیاں نہیں تیری یاد ہے میری بخشش
تیرے غم کی عمر دراز ہو غمِ زندگی کو مٹا دیا

جو خلش تھی روحِ وفا ہے اب، جو تھا دردِ دل وہ دوا ہے اب
مجھے تم نے دی تھیں جو تلخیاں انھیں میں نے شہد بنا دیا

کہاں فصلِ گُل میں یہ ولولہ کہ جو لے سموم سے مورچہ
وہ مرے لہو کا تھا حوصلہ کہ خزاں میں پھُول کھِلا دیا

میری ہمّتیں، مری پاسباں، میرا عزم ہے میرا آشیاں
وہ تو چند تنکے تھے باغباں جنھیں بجلیوں نے جلا دیا

ہٹے کب سجُودِ وفا سے ہم، جو کھُلا ملا نہ درِ حرم!
تو بنا کے خون کی سجدہ گاہ تہِ تیغ سر کو جھُکا دیا

تیری ذاتِ پاک نے آدمی کا وقار کتنا بڑھا دیا
کہ جو ایک مشتِ غبار تھا اسے شاہکار بنا دیا

یہ کمالِ خالقِ دوجہاں ہوئی بندہ پروریوں کی زباں
تجھے بھیجا بزمِ وجود میں کہ ثبوت اپنا دکھا دیا

جنھیں تیرے خون کی پیاس تھی انھیں دشمنوں کو دُعائیں دیں
تھے جہاں پہ خار تیرے لیے وہیں تو نے پھُول کھِلا دیا

تیری ذات آئینہ کبریا، تیری شخصیت ہے کہ معجزہ
وہی ذمّہ دارِ حیات تھا جو قدم بھی تو نے اٹھا دیا

تیرے بوریئے پہ سلام ہو کہ غرورِ تخت مِٹا دیا
تیرے جھونپڑے پہ درُود ہو کہ زمیں کو عرش بنا دیا

ترے فقر و فاقے نے حل کیے ہیں معاشیات کے مسئلے
تیری سادگی تھی کہ ہم غریبوں کو زندہ رہنا سکھا دیا

نہ وہ مرحبیؔ نہ وہ عنتری نہ وہ اہلِ کفر کی داوری
کہ ہر ایک قصرِ ستم گری تیری ٹھوکروں نے اڑا دیا

تیرے دوشِ پاک کا بانکپن ہیں ادھر حسینؑ ادھر حسنؑ
ترے شاہزادوں کی شان نے تیرا حسُن اور بڑھا دیا

ترے دشمنوں کی نہ چل سکی تیری آلِ پاک کے سامنے
جسے آندھیاں نہ بجھا سکیں وہ چراغ تو نے جلا دیا

(۱۹۶۷ء بنارس)

□□

میلادُ النبیؐ

انھیں مدینے میں کیا ملے گا نجف پہ جن کی نظر نہیں ہے
بلا علیؑ کے نبیؐ کی مستی وہ شہر ہے جس میں در نہیں ہے

انھیں بتا دو جو کہہ رہے ہیں کہ راہ ہے راہبر نہیں ہے
بغیر ہادی کوئی بھی ملت وہ جسم ہے جس پہ سر نہیں ہے

عراق نے کی ہے جب چڑھائی تو دیتے ہو کفر کی دہائی
مدد نہ غیرِ خدا سے مانگو یہ کیا ہے بدعت اگر نہیں ہے

بنے ہیں کعبے کے جو محافظ حرم کی حرمت نہ بیچ کھائیں
جمی ہیں امریکہ پہ نگاہیں، خدا پر لیکن نظر نہیں ہے

جو سبز گنبد سے کی بغاوت تو قصرِ ابیض پہ بھیک مانگو
سزا یہ دی ہے خدا نے تم کو اب اس سے کوئی مفر نہیں ہے

کل اہلِ ایماں کا خوں بہایا اور آج اغیار کو بلایا
خدائے واحد کا یہ مکاں ہے تمہارے دادا کا گھر نہیں ہے

برہنہ تیغوں میں سو کے ہم کو سبق دیا ہے یہ شیرِ حق نے
خدا سے ڈرتا ہے جو جہاں میں اسے کسی کا بھی ڈر نہیں ہے

ہے آج اخلاق کی ضرورت مقامِ تیغ و تبر نہیں ہے
سبق لو محبوبِ کبریا سے کوئی سہارا اگر نہیں ہے

نہ دے دعائیں جو زخم کھا کر نہیں سمجھتے ہم اس کو رہبر
کرے نہ دشمن کی جو عیادت ہمارا وہ چارہ گر نہیں ہے

جو چھوٹا آلِ رسولؐ کا در تو کھاؤ گے دربدر کی ٹھوکر
کدھر چلے جا رہے ہو لوگو! سکوں کا رستہ ادھر نہیں ہے

اگر ہے کردار میں صلابت نہیں ہے تلوار کی ضرورت
جو ہم نے خلقِ نبیؐ میں دیکھا وہ تیغ میں بھی اثر نہیں ہے

رسولِ برحقؐ کا حکم پایا اُتر کے بابِ علیؑ پہ آیا
کبھی نہ بھولے گا اپنا رستہ ستارہ ہے یہ بشر نہیں ہے

درود بھیجو کہ چرخِ عصمت پہ آج دو آفتاب نکلے
مری سحر سے زیادہ روشن جہاں میں کوئی سحر نہیں ہے

یہ وقت نازک بہت ہے لیکن پیامِ وارث ہی اپنا زندہ
دعائے زہرا تو کام دے گی جو کوئی سینہ سپر نہیں ہے

□□

قطعہ

میں نے سجادؑ سے سجدوں کا سبق سیکھا ہے
کیوں ڈراتے ہو مجھے ظلم کی طغیانی سے
توڑ تو سکتے ہیں مسجد کو یہ اربابِ ستم
چھین سکتے نہیں سجدے مری پیشانی سے

دولتِ فکر

مدحِ مولاؑ مری دولت بھی ہے جاگیر بھی ہے
اور مرے نامۂ اعمال کی تحریر بھی ہے

میرا ہر شعر ہے محفل میں مہکتا ہوا پھول
سرِ دشمن پہ چمکتی ہوئی شمشیر بھی ہے

ہے کہیں نغمہ فشاں زمزمۂ نادِ علیؑ
اور کہیں ہمہمۂ نعرۂ تکبیر بھی ہے

دلِ مومن کے لیے شعر مرے لالہ و گل
چشمِ دشمن کے لیے تیر بھی شہتیر بھی ہے

مدحِ مولاؑ میں مرا ہاتھ بٹانے کے لیے
سورۂ دہر بھی ہے آیۂ تطہیر بھی ہے

بے سبب اپنا گلا پھاڑ رہے ہو بھائی
دیکھ لو پہلے کہ آواز میں تاثیر بھی ہے

ہم غلامانِ رسولِ عربیؐ کی تم نے
کی ہے تکفیر تو کچھ باعثِ تکفیر بھی ہے

یعنی تم اب بھی ہو زندانِ سیاست میں اسیر
اور پاؤں میں روایات کی زنجیر بھی ہے

اسلحہ اپنا صداقت کے سوا کچھ بھی نہیں
تیرے ہاتھوں میں تو خنجر بھی ہے شمشیر بھی ہے

ہم تو ہیں آج بھی مقتل میں یونہی سینہ سپر
یہ بتا اب ترے ترکش میں کوئی تیر بھی ہے

ہوگا جب ذکرِ نبیؐ آئے گا تب ذکرِ امامؑ
ہے جہاں شمع وہیں شمع کی تنویر بھی ہے

نقش پتھر پہ اُبھر آتے ہیں مٹی پہ نہیں
یہ اثر بھی ترے قدموں میں، وہ تاثیر بھی ہے

تیری سیرت کا جواب اہلِ جہاں دے نہ سکے
جیسا قرآں ہے اسی شان کی تفسیر بھی ہے

تو وہ آیت ہے کہ قرآں میں نہیں جس کا جواب
تو وہ قرآں ہے جو قرآن کی تفسیر بھی ہے

جانشیں ہوگا پیمبرؐ کا پیمبرؐ جیسا
عقل بھی کہتی ہے، قرآں میں تحریر بھی ہے

دیکھ کر جعفرِ صادقؑ کو یہ کہنا ہی پڑا
تیرا فرزند تیری بولتی تصویر بھی ہے

□□

قطعہ

ذہن عاجز ہے ترے کردار کی تفسیر میں
سارے جلوے ہیں اک دامنِ تطہیر میں

رن میں غازی، کھیت میں مزدور، منبر پر حکیم
اللہ اللہ کتنے رُخ ہیں ایک ہی تصویر میں

ہمرنگیِ قول وعمل

عرق، استعجاب منطق محوحیرت، فلسفہ
دیکھ کر ہم رنگیٔ قول و عمل کا معجزہ

زندگی کی بھیک تجھ سے مانگتی ہے ہر صدی
تیرے جلوؤں سے ہے روشن ہر مقامِ ارتقا

ہر زمانے میں رہے گا یونہی روشن تیرا نام
تیرے در پہ ہوگی ہر فکر و نظر کی انتہا

رجعتِ خورشید یا شق القمر کا ذکر کیا
تیری پوری زندگی ہے معجزہ ہی معجزہ

پتھروں سے لے کے ایٹم تک کے حربے ہیں گواہ
توڑ دُنیا میں نہیں ممکن ترے اخلاق کا

سر جھکایا ہے علیؑ نے کفر کا تلوار سے
خالی ہاتھوں سے دلوں کو فتح تو نے کرلیا

تیرے بھائی کا عمل تیری صداقت کا ثبوت
تیرے بیٹوں کا لہو سرمایۂ دینِ خدا

تیرا سارا گھر کا گھر ہے انتخابِ کبریا
جس کو دیکھا مصطفٰےؐ ہے جس کو دیکھا مرتضیٰ

کون دے سکتا ہے اس کردار سازی کا جواب
جس کو اپنی گود میں پالا محمدؐ بن گیا

تیری ہمت کا نمونہ خیبر و بدر و احد
تیرے صبر و ضبط کا آئینہ دشتِ کربلا

□□

خدیجۃ الکبریٰ

سردار ہیں جنّت کے دل و جانِ خدیجہ
جائیں گے کہاں منکرِ احسانِ خدیجہ

زہراؑ سے ہوئی معرفتِ شانِ خدیجہ
ہے رحمتِ خالق تہِ دامانِ خدیجہ

لکھی گئی ایثارِ محبّت کی کہانی
تاریخِ صداقت میں بعنوانِ خدیجہ

کرتے ہیں نبیؐ صورتِ زہراؑ کی تلاوت
گودی میں کھلا رکھا ہے قرآنِ خدیجہ

خالی نہ محمّدؐ سے رہا کوئی زمانہ
ڈوبا نہ کبھی نیّرِ تابانِ خدیجہ

معصومۂ عالم جسے کہتا ہے زمانہ
ہے بانیِ اسلام پہ احسانِ خدیجہ

کہتی ہیں بصد فخر کہ ہم میں نہیں غاصب
اصحابِ پیمبرؐ سے کنیزانِ خدیجہ

کہتے ہیں نبیؐ بن کے یہ حسنینؑ کا ناقہ
کاندھوں پہ اُٹھائے ہوں یہ احسانِ خدیجہ

پانی جو دیا شہؑ نے تو یہ حُر نے صدا دی
رُکتا ہی نہیں چشمۂ فیضانِ خدیجہ

دنیا کے زر و مال سے جب ہو چکا خالی
تب لائقِ زہراؑ بنا دامانِ خدیجہ

ہے اُلفتِ محبوبِ خدا ساری بضاعت
اور مرضیٔ مولا سروسامانِ خدیجہ

□

صدائے انقلاب

فرمانِ ازل ہے ہر لمحہ کیفیّتِ دوراں بدلے گی
رنگِ گُلِ ہستی بدلے گا بُوئے گُلِ امکاں بدلے گی

مانا کہ نہ ہوگی پیاسوں پر ساقی کی نگاہِ لُطف و کرم
خود تشنہ لبی مے خواروں کی میخانے کا عنواں بدلے گی

یوسفؑ کے دریدہ دامن سے کردار کا سُورج اُبھرے گا
انوارِ سحر میں بالآخر تاریکیِ زنداں بدلے گی

اربابِ شجاعت دیں گے صدا ساحل ساحل چلنا کیسا
یا ڈوب مریں گے اہلِ وفا یا فطرتِ طوفاں بدلے گی

یعقوبؑ کی آنکھیں کہتی ہیں برباد نہ ہوں گے یہ آنسو
پھر لَوٹ کے آئیں گے یُوسفؑ پھر قسمتِ کنعاں بدلے گی

ہر فصلِ خزاں ہر موسمِ گُل تصویرِ چمن بدلے گی مگر
جب پھُول کھلیں گے عصمت کے تب رُوحِ گلستاں بدلے گی

کردار کا آئینہ لے کر آئے گا خدا کا پیغمبرؐ
اخلاق کی طاقت انسانی تاریخ کا عنواں بدلے گی

ایمان کے چشمے پھُوٹیں گے صحرائے ادب کے سینے سے
یثرب کا مقدر جاگے گا تقدیرِ خراساں بدلے گی

قرآن کے سانچے میں ڈھل کر سیرت کا اُجالا پھیلے گا
انسان کی صُورت میں اک دن خود مرضیِ یزداں بدلے گی

صحرا کی فضاؤں میں ہوگی تکمیلِ نبوّت کی منزل
سائے میں ببُولوں کے آخر تقدیرِ بیاباں بدلے گی

بخ بخ کی صدائیں ہونٹوں پر اور دل میں عداوت کے شعلے
کیا جانے کتنے رنگ ابھی اک ذاتِ پشیماں بدلے گی

آئے گا زمانہ پھر پھر کر آخر علیؑ کی چوکھٹ پر
حالانکہ ابھی کتنے محور یہ گردشِ دوراں بدلے گی

ارباب سیاست کے جوہر نزدیک سے جب آئینگے نظر
رُخ اپنا خلافت بھی آخر سوئے شہِ مرداںؑ بدلے گی

ہر موڑ پہ ذاتِ حیدرؑ کو کہنا ہی پڑے گا راہ نما
مانا کہ تہتّر راہوں پر رفتارِ مسلماں بدلے گی

صنّاعِ ازل نے کھینچی ہیں لفظوں میں علیؑ کی تصویریں
دیکھیں تو کہاں تک یہ دُنیا تاویل سے قرآں بدلے گی

محرُومِ جزا ہو گی نہ پیامؔ اللہ کے محبُوبوں کی ثنا
اک دن میرے شعروں سے قدرت جنّت کا گلستاں بدلے گی

□□

شعر

دار و رسن کی وادی سے یہ راہ گزرنے والی ھے
سچ کہنے کی ھمّت ھے تو کفن بھی لیکر ساتھ چلو

ضربِ حیدریؑ

سعیِ لاحاصل ہے، یہ الفاظ کی بازی گری
سیدھے سیدھے مدح کر اے مدح خوانِ حیدریؑ

مٹ چکی ہے اہلِ تخت و تاج کی بازی گری
ہاں مگر لَو دے رہے ہیں نقشِ پائے حیدریؑ

کب کوئی بے نفس انساں ایسا آیا ہے نظر
کی ہو جس نے وقتِ مشکل دشمنوں کی رہبری

پرچمِ کردار: پیوندِ ردائے فاطمہؑ
دولتِ ایثار ہے نانِ شعیرِ حیدریؑ

پارۂ نانِ جویں ٹوٹے نہ اپنے واسطے
بہرِ حق ہے پھُول سا انگلی پہ بابِ خیبری

جنگِ شبّیریؑ ہو دُنیا میں کہ صلحِ شبّریؑ
وہ بھی ضربِ حیدریؑ ہے یہ بھی ضربِ حیدریؑ

اے جمالِ آدمیّت ، اے جلالِ داوری
خم ترے قدموں پہ ہے دونوں جہاں کی برتری

توڑ کر فاقوں سے دَولت کا غرورِ برتری
بے زروں کو تو نے بخشا ہے دماغِ بُوذری

تیرا ہر اقدام ہے تحریکِ نبضِ کائنات
تیرے پہلو میں دھڑکتا تھا دلِ پیغمبریؐ

اے کہ تیرا نام ہے سرمایۂ فکر و نظر
اے کہ تیری ذات شمعِ حلقۂ دیدہ وری

کام آتی ہے جہاں منطق نہ کوئی فلسفہ
کی ہے تو نے عقلِ انساں کی وہاں پر رہبری

اے درِ علمِ پیمبرؐ! آ کے تیری بزم میں
توڑ دیتی ہے صنم خود اپنے فکرِ آذری

تو دماغوں کا اُجالا تو دلوں کی روشنی
فکر کی گہرائیوں میں ہے تیری جلوہ گری

بیلچہ کاندھوں پہ ہاتھوں میں نظامِ مملکت
تو نے توڑا ہے غرورِ کسروی و قیصری

آیتیں ہیں یا ترے کردار کی فہرست ہے
تیری سیرت کر گئی قرآن کی صُورت گری

تو مرتّب کر رہا تھا تب شریعت کے اصُول
ہو رہی تھی جب مسلمانوں میں جنگِ زرگری

بندھ گئی رسّی گلے میں اللہ اللہ ضبطِ نفس
کروٹیں لیتا رہا ہاتھوں میں زورِ داوری

جب علیؑ خاموش تھے زہراؑ کا پہلو دیکھ کر
تجھ پہ کیا بیتی بتا اے ذُوالفقارِ حیدری

پائی ہے نفسِ الٰہی سے بغاوت کی سزا
ملّتِ اسلام میں پھیلی ہے ابتک ابتری

آج تک

وَا بابِ شہرِ علمِ پیمبرؐ ہے آج تک
دربار مٹ کے رہ گئے منبر ہے آج تک

موجِ ہوائے ظُلم کو چکّر ہے آج تک
روشن چراغ خانۂ داور ہے آج تک

لاکھوں دہن میں بول اُٹھی میثم تیری زباں
خاموش اہلِ ظلم کا خنجر ہے آج تک

شعر و ادب کی ریڑھ کی ہڈّی بنا ہوا
دُنیا میں ذکرِ فاتحِ خیبر ہے آج تک

تاریخ ساز تھی شبِ ہجرت علیؑ کی نیند
جاگا ہوا نبیؐ کا مقدّر ہے آج تک

اے فاقہ کش اسیر تجھے دیکھنے کے بعد
احساسِ کمتری میں تونگر ہے آج تک

تو نے کبھی لُٹائے تھے منبر سے مہر و ماہ
بزمِ دل و دماغ مُنوّر ہے آج تک

اُٹّھا تھا کل جو تجھ کو ڈبونے کے واسطے
سُوکھا پڑا ہوا وہ سمندر ہے آج تک

نانِ جوینِ حیدرِؑ کرّار کے نثار
بیدار مفلسوں کا مُقدّر ہے آج تک

(دسمبر ۱۹۷۶ء۔ الہ آباد)

سَلیقہ سِیکھ لو پیاسوں سے سَر کٹانے کا
کہ سَر کٹاؤ تو خنجر دُکھائی دینے لگے

فتح خیبر

واجب نے جب یہ عالمِ امکاں بنا دیا
ہر ہر نفس کو حشر بداماں بنا دیا

انساں کو آرزوؤں کے طوفاں میں ڈال کر
گویا حریفِ گردشِ دوراں بنا دیا

دو دن کی زندگی سے لیا کارِ امتحاں
مشکل بنا دیا کبھی آساں بنا دیا

پہلو میں آدمی کے دلِ بے قرار کو
گہ درد کر دیا کبھی درماں بنا دیا

امواجِ زندگی کا بدلتا رہا مزاج
ساحل بنا دیا کبھی طوفاں بنا دیا

دیکھا نگاہِ لطف سے جب کائنات کو
دورِ خزاں کو فصلِ بہاراں بنا دیا

اٹھی نگاہِ قہر تو دنیا بدل گئی
بزمِ طرب کو شہرِ خموشاں بنا دیا

لے کر کسی سے تاج کیا دہر میں ذلیل
دے کر کسی کو تختِ سلیماں بنا دیا

فرعون سے کرائی ہے موسیٰؑ کی پرورش
کافر کے گھر کو منزلِ ایماں بنا دیا

جب لے چکا خلیلؑ سے خلّت کا امتحاں
آتش کدے کو رشکِ گلستاں بنا دیا

اک نقطۂ کمال کو تمثیل کے لئے
قاری بنا دیا کبھی قرآں بنا دیا

گردِ شکست دیکھ کے حق کے نشان پر
نادِ علیؑ کو فتح کا عنواں بنا دیا

حق نے علیؑ کو زینتِ ایماں بنا دیا
دردِ دلِ رسولؐ کا درماں بنا دیا

کارِ عظیم تھا درِ خیبر کا ٹوٹنا
لیکن خدا کے شیر نے آساں بنا دیا

اک خط سا کھینچ کر حق و باطل کے درمیاں
تیغِ دو دم کو جادۂ عرفاں بنا دیا

گزری سرِ لعیں سے رُکی جبرئیلؑ پر
قہرِ خدا کو رحمتِ یزداں بنا دیا

پیدا ہوئے جو گھر میں خدائے عظیم کے
اک بُت کدے کو خانۂ یزداں بنا دیا

آ کر نبیؐ کی گود میں جب مسکرا دیئے
آغوشِ مصطفےٰ کو گلستاں بنا دیا

بستر پہ جب رسولؐ کے ضو ریز ہو گئے
ہجرت کی شب کو صبحِ بہاراں بنا دیا

رکھا قدم جہاں وہیں کعبہ ہوا طلوع
جو بات بھی کہی اسے قرآں بنا دیا

نفرت پرستیوں میں لُٹا کر کرم کے پھول
پُرخار وادیوں کو گلستاں بنا دیا

(سنہ ۱۹۶۳ء ۔ اعظم گڑھ)

□□

قطعہ

ذلّت کی نالیوں میں اُتارا یزید کو
باقی رہا نہ ضبط کا یارا یزید کو

اسلام کی نقاب سے باہر نکل پڑا
دراصل تیری صلح نے مارا یزید کو

□□

درِ کعبہ

کیا ملا ان کو بھی جو چاند پہ ہو کر آئے
ہاتھ خالی ہی رہا لوٹ کے جب گھر آئے

جو کیا کرتے تھے دعوائے کرم فرمائی
آستینوں میں چھپائے ہوئے خنجر آئے

انھیں بیچاروں کو ملتی نہیں چلنے کو جگہ
راہ میں گاڑ کے جو میل کے پتھر آئے

جو ہیں پابندِ وفا اُٹھ کے نہ جائیں گے کہیں
بھُول آئیں تیری محفل سے کہ پتھر آئے

پھینک کر بیٹھے ہیں سب حق و صداقت کا علم
دستکیں سنتے رہے پھر بھی نہ باہر آئے

ہر طرف مرحب و عنتر ہیں پڑھو نادِ علیؑ
پھر ضرورت ہے کوئی فاتحِ خیبر آئے

کھینچ کر بیٹھے ہیں ہم مدحتِ مولاؑ کا حصار
منھ کی کھائیں گے اگر ظلم کے لشکر آئے

یوں علیؑ آج بہ آغوشِ پیمبرؐ آئے
جیسے آئینے میں آئینے کا جوہر آئے

کیسے کہہ دوں کہ بلندی سے زمیں پر آئے
عرشِ اعظم سے چلے کعبے کے اندر آئے

جس سے بُت آتے تھے اس راہ سے آتے کیونکر
در نیا کعبے میں کھولا گیا حیدرؑ آئے

ہے زمانے میں کوئی شیرِ خدا کا ہمسر
ایسی باتوں کا یقیں آئے تو کیوں کر آئے

تیری چادر ہے دوا بہرِ رسولِ عربی
جب نقاہت ہوئی محسوس تیرے گھر آئے

چودہ سو سال ہوئے پائے حقارت نے تیرے
جن کو پھینکا تھا وہ اب تک نہ پلٹ کر آئے

راکبِ دوشِ پیمبرؑ

اجنبی ماحول میں پہچانتا کوئی نہ تھا
کس سے کہتے دردِ دل، درد آشنا کوئی نہ تھا

کون کرتا چھاؤں میں تلوار کی تائیدِ حق
جب حصولِ مال و زر کا سلسلہ کوئی نہ تھا

تین سو پینسٹھ خدا کعبے میں تھے بیٹھے ہوئے
ہاں مگر اُن میں غریبوں کا خدا کوئی نہ تھا

کلمۂ اعلانِ حق کو تھا کسی کا انتظار
چُپ تھے سرکارِ رسالت ہم نوا کوئی نہ تھا

اے مورخ! بزمِ پیغمبر کا سنّاٹا نہ پوچھ
سیکڑوں چہرے تھے لیکن آئینہ کوئی نہ تھا

اے ابو طالبؑ کے بیٹے زندہ و پائندہ باد
تو نہ ہوتا تو گواہِ مصطفٰےؐ کوئی نہ تھا

تو نے کی ہے نصرتِ دینِ الٰہی اُس گھڑی
جب چھُری کی دھار تھی اور راستہ کوئی نہ تھا

کون دیتا جز تیرے افواجِ باطل کو شکست
زورِ بازوئے رسالت دوسرا کوئی نہ تھا

پڑ رہی تھی دہر میں اسلام کی بُنیاد جب
یا نبیؐ تھے یا علیؑ تھے دوسرا کوئی نہ تھا

راکبِ دوشِ پیمبرؑ! تیری عظمت پر فدا
انبیا میں بھی ترا ہم مرتبہ کوئی نہ تھا

قوتِ بازوئے احمدؐ، ضیغمِ پروردگار
تو نہ ہوتا گر تو کفوِ فاطمہؑ کوئی نہ تھا

بے نیازِ جنّت و کوثر تھی تیری بندگی
مدّعا سجدوں کا سجدوں کے سوا کوئی نہ تھا

مالکِ زورِ الٰہی اور گردن میں رسَن !
صبر کے میداں میں بھی تیرے سوا کوئی نہ تھا

آخری درجے پہ منبر کے بتایا بیٹھ کر
مجھ سے پہلے جانشینِ مصطفےٰ کوئی نہ تھا

تیرے بیٹے حجّتِ خالق بنے ہر دور میں
کب علیؑ کوئی نہ تھا کب مصطفےٰ کوئی نہ تھا

کیوں چلے آتے تھے سائل ایک فاقہ کش کے گھر
کیا مدینے بھر میں دروازہ کھلا کوئی نہ تھا

اے روایت کے اسیرو لو درایت کی خبر
سب غنی تھے نام کے، حاجت روا کوئی نہ تھا

کس کے گھر جاتے بھلا یثرب کے مسکین و یتیم
بیکسوں کا جز علیؑ مشکل کشا کوئی نہ تھا

ماسوائے ذکرِ اہلبیتؑ بھی ہم نے پیامؔ
شعر کچھ لکھے مگر ان میں مزا کوئی نہ تھا

تصوّرِ نورؑ

مرا لمحہ لمحہ ہے ضو فگن مرا لحظہ لحظہ ہے جلوہ گر
کہ ترے تصوّرِ نور میں مری عمر ہو رہی ہے بسر

رہِ زندگی کے یہ پیچ و خم ہیں مری نگاہ میں بے ضرر
ترا عشق ہے مرا رہنما، تری یاد ہے مری ہمسفر

مجھے ٹھوکروں کا ہو خوف کیوں، مجھے ظلمتوں کا نہیں ہے ڈر
ترا نقشِ پا ہے قدم قدم، تری روشنی ہے نظر نظر

مجھے سرفرازیاں مل گئیں ترے نقشِ پا پہ جھکا کے سر
کہ جہاں کی ساری بلندیاں ہیں جھکی ہوئی ترے پاؤں پر

اُسے گمرہی کا ہو خوف کیوں جسے مل گئی تری رہ گزر
کہ مڑا ہے حق بھی اُدھر اُدھر ترا رُخ پھرا ہے جدھر جدھر

ترا نام میں نے جو لے لیا تو یہ حادثات لرز اُٹھے
ترا ذکر میں نے جو کر دیا تو دھڑک اُٹھا دلِ کفر و شر

تری سُوکھی سُوکھی وہ روٹیاں ہیں معاشیاتِ بشر کی جاں
وہ ترے لباس کی دھجّیاں ہیں خدا کے دین پہ جلوہ گر

کبھی لافتیٰ کبھی صف شکن کبھی ہر گلے میں بندھی رسَن
کبھی ذُوالفقار سی تیغ ہے، کبھی ضبطِ نفس کی ہے سپر

کبھی نیند آ گئی خاک پر کبھی بوتراب بنے ہوئے
کبھی بیلچہ لیے کھیت میں، کبھی پاؤں دوشِ رسُولؐ پر

میری شاعری میں پیام مدحِ علیؑ کی ہیں جو تجلّیاں
مرا حرف حرف ہے ضو فگن مرا لفظ لفظ ہی جلوہ گر

(اعظم گڑھ۔ ۱۹۵۴ء)[1]

□□

۱ے یہ میرا سب سے پہلا قصیدہ ہے۔ — پیام اعظمی

مولودِ حرم

چمن کا ایسا کوئی ذمہ دار ہو جائے
جو حکم دے تو خزاں بھی بہار ہو جائے

بنا دے اے مرے مالک کسی کو عقدہ کشا
علاجِ گردشِ لیل و نہار ہو جائے

یتیم و بیکس و مظلوم تا بہ کے تڑپیں
کوئی تو چارہ گرِ غمگسار ہو جائے

ستم گرانِ جہاں خود کو کہہ رہے ہیں خدا
بس اب کسی کو عطا ذُوالفقار ہو جائے

ترا رسُولؐ اکیلا ہے راہِ ہستی میں
ہے آرزو کہ کوئی رازدار ہو جائے

کوئی شرف بھی ہو کعبہ کا آخر اے معبُود
جبینِ شوق کو کیوں اعتبار ہو جائے

مرے کریم یہی عدل کا تقاضا ہے
ولادتِ شہِ گردوں وقار ہو جائے

مزا تو جب ہے کہ مہماں کی پیشوائی کو
شگافتہ ترے گھر کی جدار ہو جائے

علیؑ کا نام جو عنوانِ کار ہو جائے
تو ساتھ رحمتِ پروردگار ہو جائے

علیؑ کی ضرب کی قیمت جو زیرِ بحث آئے
تو دو جہاں کی عبادت نثار ہو جائے

غریب و بیکس و مفلس کے حق میں فضلِ خدا
گروہِ کفر پہ جو شعلہ بار ہو جائے

بیان ایسا کہ کھل جائیں علم کی آنکھیں
نگاہ ایسی دلوں سے جو پار ہو جائے

جو اپنے چاہنے والوں کی ہر مصیبت میں
نگاہِ رحمتِ پروردگار ہو جائے

عطا کے وقت محبت کے پھول برسائے
کرم کے وقت جو خود شرمسار ہو جائے

عمل کی راہ میں کاندھے پہ بیلچہ رکھ لے
حرم میں دوشِ نبیؐ پر سوار ہو جائے

وہ قبلہ جس سے ہے کعبہ کا اعتبار ابتک
وہ نقطہ جس پہ کہ قرآں نثار ہو جائے

جو ذوالفقار کو رکھ کر کبھی ہو محوِ کلام
ہر ایک جنبشِ لب ذوالفقار ہو جائے

رسن گلے میں کہ ہاتھوں میں بابِ خیبر ہو
ہر ایک طرزِ عمل یادگار ہو جائے

پیام کی ہے یہی آرزو بس اے مولا
ترے غلاموں میں اس کا شمار ہو جائے

□□

قرآنِ ناطق

مے کی بوتل جیب میں، قرآن ہاتھوں پر کھُلا
دیتے ہیں دھوکا زمانے کو یہ بازی گر کھُلا

تھا بہت اپنے لباسِ پارسائی کا غرور
کھل گیا زاہد جو دیکھا مے کدے کا در کھلا

چھوڑتا ہے کب کوئی اپنا پُرانا کاروبار
بھر گئی زنبیل دیکھا جب کسی کا دَر کھلا

دیکھ کر مرحب کو وہ لوٹ آئے ہیں کس شان سے
دم لبوں پر، ہاتھ خالی، پاؤں ننگے، سر کھلا

دشمنی رہتی حجابِ دوستی میں تابکے
بغضِ اہلبیتؑ بن کر بُغضِ پیغمبرؐ کھلا

وہ علیؑ آئے وہ دیوارِ حرم میں در کھُلا
قبلۂ اسلام بن کر خانۂ داور کھلا

علم کے دریا بہے عرفان کا جوہر کھلا
جب لبِ قرآنِ ناطق برسرِ منبر کھلا

کون دے سکتا تھا دُنیا میں سلونی کی صدا
رکھیو یارب! بابِ شہرِ علم پیغمبر کھُلا

ایک پلٹا، شق ہوا ایک، آگیا چوکھٹ پہ ایک
مقصدِ پیدائشِ مہر و مہ و اختر کھلا

بُزدلوں سے لڑ کے شہرت مل گئی تھی مُفت کی
شیرِ حق آئے تو رازِ مرحب و عنتر کھُلا

اے مؤرخ کچھ بتا کیوں بند سب کے در ہوئے
صحنِ مسجد میں ہے کیوں دروازۂ حیدرؑ کھُلا

مٹ گیا زنگِ ہزیمت، اڑ گیا رنگِ شکست
پرچمِ اسلام جب دوشِ امامت پر کھُلا

آج بھی زورِ علیؑ کی حد نہ قائم ہو سکی
ہائے کس نازک جگہ جبرئیل کا شہپر کھلا

رات دن کی قید کیا دستِ سخاوت کے لئے
رہتا تھا آٹھوں پہر دروازۂ حیدرؑ کھلا

اے نبیؐ کے دل کی دھڑکن، اے ابو طالب کے لال
آدمیت کا مقدر تیری چوکھٹ پر کھلا

ہم تو سمجھے تھے تجھے اک مردِ ناداں اے پیامؔ
چھڑ گیا ذکرِ علیؑ جس دم، ترا جوہر کھلا

□□

ایک شعر

ملتی ھے غذا سب کو در آلِ نبیؐ سے
شاعر کا قلم ھو کہ سپاھی کا جگر ھو

مولودِ کعبہ

جنت پہ نگاہیں ہیں نہ رضواں پہ نظر ہے
اے خانۂ کعبہ ترے مہماں پہ نظر ہے

تکتے ہیں نبیؐ پیار سے حیدرؑ کا رخِ پاک
یا صاحبِ قرآن کی قرآں پہ نظر ہے

کعبہ سے لیے آتے ہیں یہ کون سی دولت
دنیا کی رسولؐ! آپ کے داماں پہ نظر ہے

کعبہ کو شرف جس کی ولادت سے ملا ہے
ایمان کی اس صاحبِ ایماں پہ نظر ہے

اے نفسِ نبیؐ، دستِ خدا، ضیغمِ داور
قرآں کی تری سیرتِ تاباں پہ نظر ہے

گونجی ہیں زمانے میں سلونی کی صدائیں
قرآن کی اک بولتے قرآں پہ نظر ہے

خود اپنے مصائب کا نہیں ہے کوئی احساس
محتاجوں کے حالاتِ پریشاں پہ نظر ہے

جو لے کے پیام آئے وہی جلوۂ حیدرؑ
اب دہر کی اس ہادیِ دوراں پہ نظر ہے

□□

ابھی تو چند ہی قطرے گرے ہیں اشکوں کے
ابھی سے کیوں یہ سمندر دہائی دینے لگے

منزلِ تکمیل

مُرسلِ اعظمؐ کا مستقبل درخشاں ہو گیا
آج حیدرؑ کی ولیعہدی کا ساماں ہو گیا

تو نے رکھا ہے قدم یوں اے ابوطالب کے لال
دوشِ محبوبِ الٰہی پر چراغاں ہو گیا

تیری فہرستِ عمل کو دے کے ترتیبِ حسیں
رفتہ رفتہ حق نے یوں بھیجا کہ قرآں ہو گیا

بیلچہ کاندھے پہ رکھ کر جا رہا ہے شبّرِ حق
عزّتِ مزدُور کا دُنیا میں ساماں ہو گیا

تیری جو کی روٹیوں نے دے دیا ہے حوصلہ
زندہ رہنا ہم غریبوں کو بھی آساں ہو گیا

کوئی قاتل کو پلا سکتا ہے شربت دہر میں
دیکھ کر شانِ کرم دُشمن بھی حیراں ہو گیا

وہ حصارِ آہنی تھی تیری ہستی گردِ حق
جو بھی ٹکرایا وہ بالآخر پشیماں ہو گیا

شبرؑ و شبیرؑ کے پہلو میں عبّاسِؑ جری
تیرا دامن کتنے شیروں کا نیستاں ہو گیا

مسجدِ کوفہ ہو یا ہو سرزمینِ کربلا
خون تیرا جس جگہ ٹپکا گُلستاں ہو گیا

چھین کر چادر تری زینبؑ کے فرقِ پاک سے
خود ہی باطل دیدۂ عالم میں عُریاں ہو گیا

□□

آبروئے کعبہ

جس طرح رُوح ہوتی ہے پیکر کی آبرو
یونہی علیؑ ہیں دینِ پیمبرؐ کی آبرو

کم تھی کہاں جو بڑھ گئی حیدرؑ کی آبرو
حیدرؑ سے خود ہے خانۂ داور کی آبرو

کعبہ ہوا علیؑ کی ولادت سے محترم
عزّت صدف کو دیتی ہے گوہر کی آبرو

کعبے سے کم نہیں شرفِ خانۂ رسولؐ
اِس گھر کی آبرو سے ہے اُس گھر کی آبرو

خاکِ درِ علیؑ سے کیا جب مقابلہ
نظروں سے گر گئی زر و گوہر کی آبرو

تیغِ علیؑ اُٹھی تو بھرم کھل کے رہ گیا
جھوٹی تھی کتنی مرحب و عنتر کی آبرو

ایماں کے کارواں کی گزرگاہ بن گیا
ٹوٹا تو بڑھ گئی درِ خیبر کی آبرو

بدلا ہے یوں علیؑ نے نگاہوں کا زاویہ
فوجوں کا دبدبہ ہے نہ لشکر کی آبرو

اے دین کے وقار پیمبرؐ کی آبرو
ہے تیرے دم سے مسجد و منبر کی آبرو

توڑا ترے حسینؑ نے ہر ظلم کا غرور
نیزوں کا ہے وقار نہ خنجر کی آبرو

میں ہوں فقیرِ آلؑ، مرے سامنے پیام
دارا کی شان ہے نہ سکندر کی آبرو

□□

آسمان و زمیں

دیکھا جو آسماں نے زمیں کو غرور سے
بولی زمیں کہ میں بھی نہیں کم حضور سے

بولا فلک کہ ہے مرا دامن بھرا ہوا
غلمان سے، مَلک سے، فرشتوں سے حور سے

بولی زمیں یہ سب درِ آلِ رسولؐ پر
خیرات آ کے لیتے ہیں فخر و غرور سے

بولا فلک کہ چاند ستارے ہیں میرے پاس
تابندہ ہیں جو فضلِ خدائے غفور سے

بولی زمیں کہ چاند ستاروں پہ کیوں گھمنڈ
روشن ہیں یہ تو آلِ پیمبرؐ کے نور سے

آیئنہ آیتوں کا جو دیکھے کوئی بغور
قرآں میں اس کا روئے منوّر دکھائی دے

قد اس کا کیا گھٹائیں گے یہ کم نگاہ لوگ!
جو سربلند دوشِ نبیؐ پر دکھائی دے

وہ آفتاب ہے مگر اہلِ فساد کو
جب آنکھ ہی نہیں ہے تو کیونکر دکھائی دے

دیکھے جو کوئی اس کے پھٹے بوریئے کی شان
بے وزن تخت و تاجِ سکندر دکھائی دے

جس کی نگاہِ ناز میں دنیا کی سلطنت
بوسیدہ جوتیوں سے بھی کمتر دکھائی دے

خود جس کے انتظار میں کعبہ کے سامنے
پھیلائے اپنے ہاتھ پیمبرؐ دکھائی دے

اٹھ جائے جب پیامؔ قلم اسکی مدح میں
بیدار شاعری کا مقدّر دکھائی دے

بابِ علم

یہ موسم اور یہ شورِ العطش بادہ گساروں میں
کہیں برسے نہ اب کے آگ ساون کی پھواروں میں

عجب توبہ شکن ماحول ہے اَب کے بہاروں میں
فرشتے بھی نظر آتے ہیں رندوں کی قطاروں میں

یہی اک دل ہے پیمانہ سمجھئے یا کہ خُم کہیئے
رواجِ ساغر و مینا نہیں ہم بادہ خواروں میں

زمیں پر بیٹھ کر پینے میں عزت اِن کی گھٹتی ہے
کہاں سے آگئے یہ اہلِ دولت خاکساروں میں

سکوں ملتا نہیں کیوں سایۂ قصرِ رعونت میں
لہو مزدور کا شامل ہے شاید اسکے گاروں میں

جو قاتل ہیں وہی انصاف کی کرسی پہ بیٹھے ہیں
جنھوں نے غم دیئے تھے اب ہیں شاملِ غمگساروں میں

ہے اُن کا نام بھی اس دَور کے ایمانداروں میں
چھپا کر بیچ دیتے تھے جو حنظل بھی اناروں میں

نہ ڈھونڈو تخت والوں میں نہ جاؤ تاجداروں میں
خدا کے منتخب بندے ملیں گے خاکساروں میں

طوافِ خانۂ حق کرنے والو! یہ بھی سوچا ہے
خدا کا گھر بھی شامل ہے علیؑ کی یادگاروں میں

اُڑھاتی ہی رہی دُنیا رِدا تاویل کی لیکن
علیؑ کا ذکر روشن ہی رہا قرآں کے پاروں میں

برہنہ کر دیا باطل کو تو نے کر کے مزدوری
ہے مایوسی قبائے سلطنت کے بخیہ کاروں میں

تری نانِ جویں تنقید ہے اربابِ دولت پر
تیرے فاقوں کی ہیبت چھائی ہے سرمایہ داروں میں

تو پہلا ناز پروردہ ہے آغوشِ رسالت کا
سرِ فہرست تیرا نام ہے احمدؐ کے پیاروں میں

ترے اقوال کی شمعوں نے آخر کر دیا روشن
اندھیرا تھا بہت علم و ادب کی رہگذاروں میں

منوّر آج ہے ہر شعبۂ علم و عمل تجھ سے
ترا سکّہ رواں ہے فکر کے سارے اداروں میں

نبیؐ کے بعد تو نے آبیاری گر نہ کی ہوتی
چمن حق کا نہ کھِل سکتا عرب کے ریگزاروں میں

فقط تاریخ کیا ہم نے تو افسانوں میں بھی ڈھونڈا!
کوئی تجھ سا نہیں ملتا نبیؐ کے جاں نثاروں میں

سکوں کی رات محرابِ عبادت میں گزرتی تھی
شبِ ہجرت مگر نیند آ گئی تیغوں کی دھاروں میں

جو دشمن تھے انھیں بھی مشوروں سے فیض پہونچایا
کرم کے پھول برساتا رہا نفرت کے خاروں میں

پیامؔ آلِ نبیؐ کا تذکرہ معراج ہے فن کی
ترا ہر شعر شامل ہے ادب کے شاہکاروں میں

بضعۃ الرسولؐ

بجھ گئے سارے دیئے اِس دلِ مضطر کے سوا
پُوری بستی میں اندھیرا ہے مرے گھر کے سوا

سامنے منزلِ مقصد ہے مگر کون بڑھے
کوئی رستہ نہیں نوکِ سرِ خنجر کے سوا

در بدر سجدوں سے نفرت بھی ہے دیوانے کو
اور کوئی در بھی نہیں ایک تیرے در کے سوا

اب تو اُن کو بھی ہے دعویٰ مری غم خواری کا
جن کے سینے میں کوئی شے نہیں پتھّر کے سوا

رکھ دیا کاتبِ تقدیر نے یہ لکھ کے قلم
حکمِ زہراؑ بھی ضروری ہے مقدّر کے سوا

میری دُنیا یہی آنسو، میری دولت یہی غم
قدرداں کوئی نہیں بنتِ پیمبرؐ کے سوا

اہلِ دُنیا نے تو ٹھکرایا ہے بدعت کہہ کر
کون دے اِس کا صلہ داورِ محشر کے سوا

ہیں علیؑ اور بھی کردار میں حیدرؑ کے سوا
فاطمہؑ کوئی نہیں بنتِ پیمبرؐ کے سوا

کس میں ہمّت جو رکھے دوشِ پیمبرؐ پہ قدم
تیرے بچّوں کے علاوہ ترے شوہر کے سوا

دوستو! جاؤ گے جنّت میں کدھر سے آخر
راستہ کوئی نہیں کوچۂ حیدرؑ کے سوا

سرِ دربار وہ اندازِ تکلّم تیرا
کون دے دادِ وغا ضیغمِ داور کے سوا

ہوئی خودداریٔ سائل بھی نہ جس سے مجروح
یوں کہیں ملتی نہیں بھیک ترے در کے سوا

سر کیا صبر کی تلوار سے تو نے جن کو
معرکے اور بھی تھے خندق و خیبر کے سوا

فاقہ کرنا پڑے، سائل کوئی محروم نہ جائے
حوصلہ کس میں ہے یہ بنتِ پیمبرؐ کے سوا

ماننا جذبۂ تسلیم و رضا میں ڈھل جائے
ایسی ماں کون ہے؟ حسنینؑ کی مادر کے سوا

کس سے ہو تیری ثنا آیۂ تطہیر کے بعد
کون دے دادِ سخن سورۂ کوثر کے سوا

کچھ نہیں دامنِ اسلام میں گر غور کرو
صبرِ زہراؑ کے سوا ضربتِ حیدرؑ کے سوا

ہم کو روکو نہ، کہ میثمؑ نے بتایا ہے پیام
اک جگہ اور بھی مدحت کی ہے منبر کے سوا

□□

خاتونِ جنّت

صدیوں سے جو اُمّت ہدفِ رنج و بلا ہے
یہ فاطمہ زہراؑ سے بغاوت کی سزا ہے
کم ہوگی نہ اولادِ پیمبرؐ کی جلالت!
قدرت نے یہ تاریخ کے ماتھے پہ لکھا ہے

اے قومِ مسلماں تجھے ملتا نہیں کیوں چین
شاید کہ دل و جانِ نبیؐ تجھ سے خفا ہے
وہ آیۂ تطہیر ہو یا سورۂ رحمٰن
قرآن میں کردار ترا بول رہا ہے
افلاک کا خورشید ترے گھر کی ہے مشعل
اور چرخ کا تارا تری چوکھٹ کا دِیا ہے

بچے ترے اُترے ہیں ابھی پشتِ نبیؐ سے
یہ مُہرِ نبوّت ہے کہ نقشِ کفِ پا ہے
شمشیرِ علیؑ جا نہ سکی جن کے گلوں تک
خطبوں نے ترے ان کا بھی سر کاٹ دیا ہے

تنقید ہیں اربابِ ہوس پر ترے فاقے
طنز اہلِ دول پر تری چکّی کی صدا ہے

شہزادیِ کونین ! اثاثہ ترے گھر کا
اک مشک ہے، اک چکّی ہے اور ایک ردا ہے

بی بی ترے ایثار کی قیمت کوئی کیا دے
جنّت تو ترے ایک ہی روزے کا صِلہ ہے

خنجر کی زباں چپ، لبِ شمشیر ہے خاموش
لیکن ترے بچوں کا لہو بول رہا ہے

چلمن ترے حجرے کی پرِ حضرتِ جبرئیل
پردہ تری چوکھٹ کا پیمبرؐ کی قبا ہے

اشکوں کی سپر لے کے کھڑی ہو گئیں زہراؑ
جب سوئے علیؑ دستِ ستمگار بڑھا ہے

ہیں عقدہ کشائے دو جہاں حیدرِ کرّار
اور حیدرِ کرّارؑ کی تو عقدہ کشا ہے

قطعہ

عشقِ حیدرؑ ہے تو قرآں کی دلآزاری نہ کر
بے عمل رہ کر محبّت کی اداکاری نہ کر

اے مسلماں تجھ سے کہتا ہے یہ پیغامِ غدیر
تو غدیری ہے تو پھر مقصد سے غدّاری نہ کر

بضعۃ الرسولؐ

فخرِ حیدرؑ کے لئے ناز پیمبرؐ کیلئے
تو ہے پیغامِ سکوں ہر دلِ مضطر کیلئے

اللہ اللہ بنے مرسلِ اعظمؐ ناقہ
تیرے شبیرؑ کی خاطر تیرے شبرؑ کے لئے

تیرا دامن تھا سکوں گاہ شہِ قلعہ شکن
تیری چادر تھی دَوا ضعفِ پیمبرؐ کے لئے

تیرے بچوں کے لئے زینتِ گلزارِ ارم
اور کوثر میں روانی ترے شوہر کے لئے

مختصر ہے تری عظمت کی کہانی بی بی
تو ہی باعثِ معراج پیمبرؐ کے لئے

چند چھالے تھے فقط دستِ منوّر کے لئے
تاج اور تخت بنے تھے تری ٹھوکر کے لئے

بازوئے حیدرؑ کرّار میں طاقت تیری
تھی سپر تیری دُعا فاتحِ خیبرؑ کے لئے

طنزِ اربابِ حکومت پہ تری نانِ جویں
تازیانہ تری چکّی ہوسِ زر کے لئے

تیرے فاقوں نے غریبوں کی بڑھا دی ہمّت
بے زری بن گئی سرمایہ ابوذرؑ کے لئے

بابِ زہراؑ پہ نہیں سب کو مجالِ سجدہ
وہ جبیں لاؤ جو خم ہو نہ کسی دَر کے لئے

بزمِ عصمت کی صدارت اُسے حق نے سونپی
یہ وہ عہدہ ہے جو تھا بنتِ پیمبرؐ کے لئے

ہیچ دُنیا کے خزانے نظر آتے ہیں پیام
مدحِ زہراؑ ہے وہ سرمایہ سخن وَر کے لئے

جزوِ رسالتؐ

آج تک آیۂ تطہیر یہ دیتی ہے صدا
نامکمل تھی رسالت جو نہ ہوتیں زہراؑ

تو ذریعہ تھی تعارف کا پئے آلِ عباؑ
کتنی بے داغ ہے بی بی! تری عصمت کی ردا

کس میں ہمّت تھی جو دیتا ترے خطبے کا جواب
ڈھونڈھتے رہ گئے تاویل تمام اہلِ جفا

تیری ہیبت تھی کہ پسپا ہوا بیعت کا سوال
ورنہ بن جاتی مدینے کی زمیں کرب و بلا

سُرمۂ چشمِ طہارت ہے تری خاکِ قدم
نقطۂ آخرِ عصمت ترا نقشِ کفِ پا

عرشِ اعظم کے فرشتے ترے در کے خادم
باغِ فردوس کا رضواں تری ڈیوڑھی کا گدا

فاتحِ خیبر و خندق تری قسمت کا شریک
فدیۂ دینِ پیمبرؐ تری گودی کا پَلا

قوتِ مذہبِ اسلام تیری فاقہ کشی
پرچمِ عظمتِ انساں تری بوسیدہ رِدا

تیری محنت کے پسینے سے مدینہ آباد
اور ترے خون سے تعمیر ہوئی کرب و بلا

سب تری ذات کی خیرات ہیں اے بنتِ رسولؐ
عصمت و عفّت و تطہیر ہوں یا صبر و رضا

جب بھی اہلِ ستم و جور نے کی ہے یورش
تیرا گھر حق و صداقت کی پنہ گاہ بنا

راستے میں مری تخئیل کے پَر ٹوٹ گئے
جب بھی چاہا کہ لگاؤں تری عظمت کا پتا

تیری سرکار کے قابل نہیں اشعارِ پیام
نذر میں پیش کرے کیا تجھے اشکوں کے سوا

مرکزِ عصمت

خزاں ہے قبضے میں فصلِ بہار ہاتھ میں ہے
غلام اُن کا ہوں ہر اختیار ہاتھ میں ہے

مرے قدم کو زمانہ ہلا نہیں سکتا
یہ میرا ہاتھ کسی ذمّہ دار ہاتھ میں ہے

ہمیں غریب نہ سمجھو خرید لیں گے جناں
کہ آنسوؤں کا دُرِ شاہوار ہاتھ میں ہے

زمانہ آیا ہے اظہارِ دوستی کیلئے
رسن ہے جیب میں پھولوں کا ہار ہاتھ میں ہے

جنابِ شیخ کی مسجد بھی بادہ خانہ بھی
زہے نصیب کہ ہر کاروبار ہاتھ میں ہے

کہا خرد نے کہ لعل و گہر ہیں مٹھی میں
جنوں پکارا کہ پھینکو غبار ہاتھ میں ہے

جو دامنِ شہِ دُلدل سوار ہاتھ میں ہے
تو سمجھو رحمتِ پروردگار ہاتھ میں ہے

نبیؐ کی لختِ جگر، بعدِ مرسلِ اعظمؐ
خدا کا دین ترے ذمّہ دار ہاتھ میں ہے

خدا کے دین کی نبضوں پہ انگلیاں ہیں تری
کہ عترتِ چمنِ روزگار ہاتھ میں ہے

یہ چوب آسیہ بی بی کی مٹھیوں میں نہیں
مدارِ گردشِ لیل و نہار ہاتھ میں ہے

علیؑ نے کھائی ہے زہراؑ کے ہاتھ کی روٹی
جبھی تو قوّتِ پروردگار ہاتھ میں ہے

نبیؐ نے گود میں بیٹی کو لے کے دی یہ صدا
بس اب تو رحمتِ پروردگار ہاتھ میں ہے

ہتھیلیوں میں ہے سورج نبیؐ کی عظمت کا
یہ آبلہ نہیں حق کا وقار ہاتھ میں ہے

یہ سوچ کر نہ دکھایا علیؑ کو زخم اپنا
خدا کے شیر ہیں اور ذوالفقار ہاتھ میں ہے

پیامِ دشمنِ زہراؑ کو یہ خبر دے دو
مرا قلم مرے مدحت گزار ہاتھ میں ہے

(۱۹۷۵ء۔ بمبئی)

□□

تین شعر

لہو کی ایک بوند مرکزِ صد انقلاب ہے
یہ کوئی فلسفہ نہیں کھلی ہوئی کتاب ہے

خدا پہ یا نبیؐ پہ یا علیؑ پہ اعتراض ہو
حسینؑ کی 'نہیں'، ہر اعتراض کا جواب ہے

یزید ہو کہ دوسرا کسی کا اعتبار کیا
بُرا نہ مانیئے گا آدمی کا انتخاب ہے

مدحِ فاطمہؑ

اشکِ غم آنکھوں سے ٹپکے تھے کہ طوفاں ڈر گئے
چند قطرے تھے مگر لاکھوں سمندر بھر گئے

خنجروں کی دھار سے لیکر سناں کی نوک تک
اہلِ دل جس راہ سے گزرے چراغاں کر گئے

بے وفا دنیا ذرا دیکھے ہمارا حوصلہ
پیار کی سوغات لے کر قاتلوں کے گھر گئے

فاطمہ نسلِ پیمبرؐ کی ضمانت بن گئیں
طنز جو کرتے تھے وہ ایک ایک کر کے مر گئے

اے پیمبرؐ کی بضاعت اے علیؑ کی غمگسار
تجھ کو لینے کے لئے تا عرش پیغمبرؐ گئے

تو نے راہِ حق میں روشن کر دیئے تھے وہ چراغ
جو بجھے لیکن زمانے میں اُجالا کر گئے

کتنے افسانوں کو تیرے آنسوؤں نے دھو دیا
کتنے نعرے تیری چکّی کی صدا سے مر گئے

بزمِ عصمت کی صدارت حق نے سونپی تھی تجھے
با ادب ہو کر تیری محفل میں پیغمبر گئے

جب عبادت پر زوال آیا تو بیٹوں نے ترے
دی اذاں نیزوں پہ تلواروں میں سجدہ کر گئے

کرنے والے تھے علیؑ سے اپنی بیعت کا سوال
تیری ہیبت دیکھ کر اہلِ کدورت ڈر گئے

کھولا خطبوں نے ترے اہلِ سیاست کا بھرم
تیرے نوحے اہلِ باطل کو پشیماں کر گئے

وہ غمِ ایّام ہو یا خوفِ اہلِ اقتدار
سب ترِی چکّی کے دو پاٹوں میں پس کر مر گئے

تھے علیؑ تیری دُعاؤں کی زرہ پہنے ہوئے
دشمنوں کے سارے حملے دشمنوں کے سر گئے

ہو گئی اہلِ مدینہ کے گھروں میں روشنی
طاعتِ حق میں قدم جب بھی مصلّے پر گئے

تیرے در پر مانگنا وجہِ پشیمانی نہ تھا
دینے والے کو نہ دیکھا اور دامن بھر گئے

سُرخ رو ہوں گے وہی جو لوگ دنیا سے پیام
دل میں عشقِ اہلِ بیتِ مصطفےٰ لیکر گئے

□□

قطعہ

عرشِ اعظم سے چلا طرزِ سخاوت دیکھ کر
دہر کا سورہ بہ عزّ و شان نیچے آ گیا

دستِ زہراؑ کی لطافت نفسِ زہرا کی کشش
روٹیاں اوپر گئیں قرآن نیچے آ گیا

مدحِ معصومہ

مانا بدن پہ پیرہنِ زرنگار ہے
چہرہ تو کہہ رہا ہے کہ دل داغدار ہے

ہنستے ہو کیوں غریبوں کے پیوند دیکھ کر
اس دور میں تو سب کی قبا تار تار ہے

کیا جانے کس صدی کی سزا پا رہے ہیں لوگ
جسموں کو ہے سکوں نہ دلوں کو قرار ہے

نیلام ہو رہی ہے محبت کی آبرو
اس دور میں تو عشق بھی اک کاروبار ہے

اکھڑا پڑا ہوا ہے سیاست کا ہر ستون
بس اک بنائے صبر تھی جو پائیدار ہے

مُفلس کے جھونپڑے سے کرن پھُوٹتی ہی کیوں
دَولت کے مقبروں کو بھی ناگوار ہے

گُل کر دیا ہے وقت کے جھونکوں نے ہر چراغ
روشن بس ایک میرا دلِ داغدار ہے

مایوس ہو کے سو گئے سب، جاگتا ہوں میں
نیند آئے کیا کسی کا مجھے انتظار ہے

زہراؑ ترے عمل پہ زمانہ نثار ہے
تقدیر تیری بہرِ عدو ذُوالفقار ہے

وہ دبدبہ کہ تختِ حکومت لرز گیا
وہ معرکہ کہ قلعۂ خیبر نثار ہے

وہ باپ، جو ہے سیّد و سردارِ کائنات
وہ ماں کہ جس کا دستِ کرم یادگار ہے

وہ لختِ دل کہ جو ہیں تمنّا رسُولؐ کی
وہ ہم سفر جو دوشِ نبیؐ کا سوار ہے

ملتا تھا جس کی چھاؤں میں حیدرؑ کو بھی سکون
تیرا وجود وہ شجرِ سایہ دار ہے

ہاتھوں میں آبلے ہیں تو قدموں میں دو جہاں
وہ شانِ بے کسی، یہ حدِ اختیار ہے

گودی میں پل رہی ہے پیمبرؐ کی زندگی
حسنینؑ سے نہیں ہے یہ مقصد سے پیار ہے

وہ مامتا کہ بندِ کفن ٹوٹنے لگے
وہ حوصلہ کہ حق پہ بھرا گھر نثار ہے

سامانِ زندگی پہ تصدق ہو زندگی
گھر میں بس اک ردا ہے اور اک ذوالفقار ہے

ناراض ہو گئیں تو کہاں جاؤ گے پیام
زہراؑ نہیں ہے رحمتِ پروردگار ہے

□□

قصیدہ

در مدح فاطمۃ الزہرا علیہا الصلوٰۃ والسلام

فاطمی ہے تو نہ یوں احسانِ صبح و شام لے
تجھ کو حق ہے خود خراجِ گردشِ ایّام لے

ان کو ٹھکرا دے جو کھاتے رہتے ہیں ٹھوکریں
اس کو دے آواز جو گرتے ہوئے کو تھام لے

رکھ لے ٹھوکر میں غرورِ خنجر و شمشیر کو
موت بھی آئے تو اس سے زندگی کا کام لے

بیٹھ کر گھر میں تو سب کرتے ہیں ان کا تذکرہ
ہے مزا جب دار پر چڑھ کر علیؑ کا نام لے

اے مسلماں غیرتِ حق کی دل آزاری نہ کر
دل دکھایا جس نے زہراؑ کا نہ اس کا نام لے

بادہ و ساغر کا کیوں اس انجمن میں نام لے
مدحِ معصومہ ہے غافل آیتوں سے کام لے

سورۂ کوثر کہاں ہے چوم لے دستِ بتولؑ
آیۂ تطہیر سے کہہ دو کہ داماں تھام لے

آگئیں خاتونِ جنّت کھل گیا بابِ کرم
بھیک اپنی زندگی کی مذہبِ اسلام لے

فاطمہؑ کو گود میں دے کر پیمبرؐ نے کہا
اے خدیجہؑ اپنے احسانات کا انعام لے

رزم گاہِ خیر و شر میں کون ہے جز فاطمہؑ
ذوالفقارِ مرتضٰی کا جو زباں سے کام لے

ایسی بی بی کون ہے بنتِ پیمبرؐ کے سوا
وقتِ مشکل ہاتھ جو مشکل کشا کا تھام لے

دیکھ پھر کس طرح کھلتا ہے درِ بابِ قبول
اے دعائیں کرنے والے فاطمہؑ کا نام لے

ذکرِ معصومہؑ سے اے اہلِ باطل ہے پیام
مدح کر ایسی کہ دشمن بھی کلیجہ تھام لے

ذکرِ بتولؑ

کیسے ہو کوئی دہر میں ہمسر بتولؑ کا
کرتے تھے احترام پیمبرؐ بتولؑ کا

وہ سجدہ گاہ اور یہ سوروں کی درس گاہ
کعبہ ہے قبلہ، قبلہ نما گھر بتولؑ کا

جا کر ذرا نگاہِ پیمبرؐ سے پوچھئے
قرآں سے کم نہیں رُخِ انور بتولؑ کا

ہر سانس پر نثار دو عالم کی عصمتیں
تطہیر کا کمال ہے پیکر بتولؑ کا

بیٹے شبابِ خلد، پدر ختمِ مرسلینؐ
سرتاجِ کائنات ہے شوہر بتولؑ کا

معصوم سب ہیں مردوں میں اک دوسرے کی مثل
کب عورتوں میں ہے کوئی ہمسر بتولؑ کا

تاریخ ہے گواہ کہ ہر دورِ ظلم میں
حق کی پناہ گاہ بنا گھر بتولؑ کا

وہ دین اک فریب، وہ اسلام ایک جھوٹ
جس پر نہیں ہے سایۂ چادر بتولؑ کا

مَسلا خزاں نے جب تو بڑھی اور تازگی
مہکا کیا ہر ایک گلِ تر بتولؑ کا

دینِ خدا پہ کر دیا بیٹوں کو بھی نثار
شرمندۂ کرم ہے پیمبرؐ بتولؑ کا

کیجے طوافِ کعبہ مگر یہ بھی سوچیے
ہے آبروئے بابِ حرم در بتولؑ کا

اس دین کا وقار گھٹائے گا کوئی کیا
جس دین پر لٹا ہے بھرا گھر بتولؑ کا

سیرت گری پہ آیۂ تطہیر کو ہے ناز
مدحت سرا ہے سورۂ کوثر بتولؑ کا

قرآں کے سامنے کوئی کیا مدح کر سکے
یوں تو پیام بھی ہے ثنا گر بتولؑ کا

□□

قطعہ

یوں تو کب یورشِ افواجِ ستم گر نہ ہوئی
کم مگر عظمتِ اولادِ پیمبرؐ نہ ہوئی

جس نے روکی تھی سرِ راہ حسنؑ کی میت
قبر خود اس کو زمانے میں میسر نہ ہوئی

ایک شعر

ہو فکر کیوں درودیوار کو سجانے کی
علیؑ کا نام ہے زینت غریب خانے کی

بنتِ رسولؐ

ہر درسِ عمل آلِ پیمبرؐ سے ملے گا
جو کچھ بھی ملے گا وہ اِسی گھر سے ملے گا

آج احمدِ مرسلؐ کو جو داور سے ملے گا
ہم جیسے غریبوں کے مقدّر سے ملے گا

دل خالی ہیں جن کے غمِ اولادِ نبیؐ سے
قطرہ نہ اُسے ساقیِ کوثر سے ملے گا

زہراؑ کے وسیلے سے دُعا مانگ کے دیکھو
ہے جس کی طلب، خالقِ اکبر سے ملے گا

اے بنتِ نبیؐ! تیرے چراغوں کے تصدّق
کعبہ کو اُجالا بھی ترے گھر سے ملے گا

وہ آبلہ ہاتھوں میں لیے ہیں جسے بی بی
تولو گے تو وزن اس کا بھی خیبر سے ملے گا

پیوندوں سے جو ہوگی غریبوں کو ندامت
تب دل کو سہارا تری چادر سے ملے گا

زہراؑ کو کہیں دفن کرو شیرِ الٰہی
ٹکڑا ہے پیمبرؐ کا پیمبرؐ سے ملے گا

□□

قطعہ

اپنے اوصاف کی کلیوں کو اکٹھا کر کے
گوندھا معبود نے خود اپنے ولی کا سہرا
ایسی شادی کہیں دُنیا میں نہ دیکھی نہ سُنی
آج تک پڑھتا ہے قرآن علیؑ کا سہرا

عیدِ رمضاں

روزہ دارو! آج کا روزہ، روزِ مسرّت لایا ہے
جنّت کا پہلا شہزادہ گھر میں علیؑ کے آیا ہے

روزہ خوروں سے کیا مطلب؟ عید، ہر روزہ داروں کی
ساقی نے افطار کی خاطر جامِ ولا چھلکایا ہے

عید سے پہلے عید آئی ہے خانۂ شبّر داور میں
پہلی خوشی کا دن زہراؑ کو مالک نے دِکھلایا ہے

نامِ حسنؑ رکھا ہے نبیؐ نے حکمِ خدا سے بچے کا
نانا کا انداز نواسے نے ورثے میں پایا ہے

اپنی قبا سے اِس کا بدن محبوبِ الٰہی پوچھیں گے
عصمت کے پانی سے جس کو قدرت نے نہلایا ہے

صلحِ حسنؑ کی بُنیادوں پر کرب و بلا تعمیر ہوئی
جس کے عمل کی خاموشی نے زورِ علیؑ دکھلایا ہے

مر گئے کتنے مرحب و عنتر ایک قلم کی جنبش سے
پردہ باطل کے چہرے سے یوں تو نے سرکایا ہے

ڈرتے ہیں اربابِ سیاست اب بھی تیری ہیبت سے
جب بھی تیرا نام لیا باطل کو پسینہ آیا ہے

□□

قطعہ

اس آسرے پہ دلِ بے قرار زندہ ہے
کوئی تو اشکوں کا امیدوار زندہ ہے

غمِ حسینؑ کو بدعت ذرا سنبھل کے کہو
ابھی حسینؑ کا اِک سوگوار زندہ ہے

صلحِ حسنؑ

قلم دلوں کا اُجالا قلم دماغ کا نور
قلم کی گود میں پلتا ہے آدمی کا شعور

نہاں ہے اُس کی سیاہی کے ایک قطرے میں
برائے وادیِ عرفاں ہزار جلوۂ طور

قلم کی ضرب سے فولاد مانگتا ہے پناہ
قلم نے کر دیئے لاکھوں پہاڑ چکنا چور

ہزاروں بار یہ منظر جہاں نے دیکھا ہے
قلم نے توڑ دیا خنجرِ ستم کا غرور

چھری کا زخم تو ہوتا ہے مندمل لیکن
قلم کی نوک چبھی اور ہوگیا ناسور

تراشتا ہے جو تیشہ جہاں میں تاج محل
تو یہ سجاتا ہے انجیل ڈھالتا ہے زبور

قصیدہ ہو کہ رُباعی، سلام ہو کہ غزل
ہزار شکل میں ہوتا ہے اک قلم کا ظہور

وہ چپ ہیں ان کی تصانیف دے رہی ہیں صدا
قلم کی بزم میں زندہ ہیں اب بھی اہلِ قبور

وہ ایک بوند سیاہی جو اس کی نوک پہ ہے
لیے ہے اپنے جلو میں حیات کا منشور

قلم نے کر دیا محمودِ غزنوی کو ذلیل
قلم کے سامنے بے بس سکندر و تیمور

یہ منزلِ عظمت ہے کہ وَالْقَلَم کہہ کر
قلم کی خود ہی قسم کھا رہا ہے ربِّ غفور

لکھا حسنؑ نے جو باطل سے صلح کا دستور
علیؑ کی تیغ کا سر جھک گیا قلم کے حضور

کفن بنا دیا کاغذ کو صلح نامے کے
اور اس پہ صلح کی شرطوں کا رکھ دیا کافور

اُتار دی اموِیت نے اپنے رُخ سے نقاب
حسنؑ کی صلح نے کچھ اتنا کر دیا مجبور

حسنؑ کی صلح کی تفسیر کر رہے ہیں حسینؑ
یہ ایک رات کی مہلت نہیں شبِ عاشور

پیامِ تذکرۂ آلِ مصطفےٰؐ کے سوا
کسی کی مدح پہ راضی نہیں دلِ مغرور

□□

دو شعر

قصرِ سفید کو جو سمجھتے ہیں سجدہ گاہ
وہ لوگ کر رہے ہیں نیابت رسولؐ کی

دُنیا کی اس محمدِ آخرؑ پہ ہے نگاہ
پوری کرے گا آکے جو حسرت رسولؐ کی

خاموش جنگ

احمدؐ کے نواسوں پہ فرشتوں کی نظر ہے
اب سجدوں کے قابل قدمِ نوعِ بشر ہے

یہ سیرتِ اولادِ پیمبرؐ کا اثر ہے
دُنیا میں بلند آج بھی اسلام کا سر ہے

افکار ہیں یا حق کے لیے ٹھوس دلائل
کردار ہیں یا دین کی قسمت کی سحر ہے

جو سانس ہے وہ رُوح ہے ہر ایک صدی کی
جو لمحہ ہے وہ حاصلِ ہر شام و سحر ہے

سُوکھی ہوئی روٹی پہ گزر ہوتا ہے لیکن
دروازہ سخاوت کا کھُلا آٹھ پہر ہے

تاریخ کی رفتار سے غافل نہیں ہوتے
بدلے ہوئے حالات پہ ہر لمحہ نظر ہے

وہ جنگ کا میدان ہو یا صبر کی منزل
ہر حال میں اونچا عَلَمِ فتح و ظفر ہے

اک لحظہ بھی رکتی نہیں کردار کی شمشیر
باطل کو بہر حال مفر تھی نہ مفر ہے

کب صلح کی منزل ہی کہاں جنگ کا میداں
یہ رازِ مشیت ہے اِنھیں اِس کی خبر ہے

احمدؐ کی تمنّا ہے تو حیدرؑ کا جگر ہے
دھڑکن دلِ اسلام کی زہراؑ کا پسر ہے

اس طرزِ شجاعت سے جہاں زیر و زبر ہے
اخلاق کی تلوار محبّت کی سپر ہے

خاموشئ کردار میں بھی کتنا اثر ہے
ٹوٹی ہوئی مغرورِ سیاست کی کمر ہے

باطِل کو ہمیشہ کے لئے کر دیا باطِل
اے معترضِ صلح ترا دھیان کدھر ہے

اللہ رے تری صلح کی شرطوں کی بلاغت
جو لفظ ہے وہ معجزۂ فکر و نظر ہے

فرزند کو سر دینے کی کرتا ہے وصیّت
بیعت کا سوال اُٹھے گا اِسکی بھی خبر ہے

دامن میں حکومت کے ہیں بس داغِ ندامت
دولت ترے اسلام کی اب بھی ترے گھر ہے

نیند آتی نہیں شام کے حاکم کو سکوں سے
اس صلح میں بھی ضربتِ حیدرؑ سا اثر ہے

کرلیتا ہوں کچھ ذکر پیامِ آلِ نبیؐ کا
اعلانِ ہُنر اور نہ دعوائے نظر ہے

□□

عِلم کے دَروازے

فضائے اِنّما بھی ہے ضیائے لافتیٰ بھی ہے
نبیؐ کی آل کا گھر مرکزِ نورِ خدا بھی ہے

اسی در پر فرشتے فخر سے کرتے ہیں دربانی
اسی گھر کا عقیدت کیش عرشِ کبریا بھی ہے

اسی در پر کھلے ہیں علم اور حکمت کے دَروازے
یہیں معصوم ہونٹوں پر سلونی کی صَدا بھی ہے

یہاں ہر اک جبیں پر جلوہ گر ہے خونِ مظلومی
یہیں مظلوم کے ہر دَرد اور دکھ کی دَوا بھی ہے

اسی در پر جھکاتا ہے زمانہ اپنی پیشانی
وقارِ نوعِ انسانی اسی دَر پر بڑھا بھی ہے

یہاں مزدور ہے دونوں جہاں کا حاکم و مولا
یہاں تختِ خلافت کی جگہ اک بوریا بھی ہے

یہاں مُہرِ نبوت بھی ہے قدموں کے تلے لیکن
یہاں دوشِ امامِ وقت پر اک بیلچہ بھی ہے

یہاں ہر ہر نفس ہے معجزہ صبر و شجاعت کا
رسن گردن میں ہر ہاتھوں میں زورِ کبریا بھی ہے

سمٹ کر آگیا ہے بائے بسم اللہ کے نقطے میں
اسی گھر میں یہی خاموش قرآں بولتا بھی ہے

یہاں ہر فرد پر یورش ہے آلام و مصائب کی
مگر ہر فرد دُنیا کے لیے مشکل کشا بھی ہے

یہاں حق کی رضا پر نفس اپنا بیچ دیتے ہیں
یہیں ہر ہر نفس پر منحصر حق کی رضا بھی ہے

یہاں اوّل سے آخر تک محمدؐ ہی محمدؐ ہیں
یہیں فیضانِ حق کی ابتدا بھی انتہا بھی ہے

یہیں ہیں دامنِ عصمت کی زینت لُولُو و مرجان
یہیں آغوشِ زہراؑ میں نبیؐ کا لاڈلا بھی ہے

ہیں پھیلی نکہتیں آفاق میں گُلہائے زہراؑ کی
معطر دوشِ محبوبِ الٰہی کی فضا بھی ہے

سلام اے تاجدارِ صلح اے اخلاق کے پیکر
تری خاموش سیرت وارثِ دارِ لافتیٰ بھی ہے

صداقت پر تری شاہد ہے خود صلحِ حدیبیہ
ترا اقدام کردارِ نبیؐ کا آئینہ بھی ہے

ابھی بیعت کا طالب سامنے آیا نہیں ورنہ
یہی صلحِ حسنؑ اپنی جگہ پر کربلا بھی ہے

نبیؐ کے بعد افضل ہے زمانے میں پدر تیرا
جو دستِ کبریا بھی اور شاہِ لافتیٰ بھی ہے

ترا بھائی کہ جس کے خون کے قطروں میں تابندہ
جلالِ مرتضیٰؑ بھی ہے، جمالِ مصطفےٰؐ بھی ہے

حسینؑ ابنِ علیؑ پر بھی اطاعت فرض تھی تیری
شریکِ صلح تیرا فاتحِ کرب و بلا بھی ہے

تیرے بیٹے نے مر کر کربلا میں کر دیا ثابت
یہی انکارِ بیعت خود حسنؑ کا مدّعا بھی ہے

تری مدحت سرائی کا صلہ مانگوں تو کیا مانگوں
ترا مدحت سرا ہونا بذاتِ خود صلہ بھی ہے

پیامؔ حق نوا کو نعمتیں تجھ سے ملیں کیا کیا
ترا عاشق بھی ہے پیرو بھی ہے مدحت سرا بھی ہے

□□

ضربِ حسنؑ

اہلِ دُنیا ہوں خفا لیکن ہمیں کچھ غم نہیں
فتح کا اعلان ہے مظلوم کا ماتم نہیں

وہ درِ آلِ نبیؐ ہے وہ ہے گلزارِ ارم
دوستو! اس راہ میں کوئی بھی پیچ و خم نہیں

چیخ اُٹھے اہلِ سیاست اب جگر میں دم نہیں
صلحِ شبّرؑ ضربتِ شیرِ خداؑ سے کم نہیں

سانس بھی لیتا نہیں ہے صلح کا مارا ہوا
یہ وہ کاری زخم ہے جس کا کوئی مرہم نہیں

صلح کی منزل ہو یا وہ جنگ کا میدان ہو
بھاگنے والوں میں اربابِ ریا ہیں، ہم نہیں

مصلحت کا یہ تقاضا تھا کہ رکھ دی ذوالفقار
زورِ بازو ورنہ شیرِ کبریاؑ سے کم نہیں

اے علیؑ کے لال تیرے حوصلوں کو مرحبا
فکر ہے ایماں کی، اپنی زندگی کا غم نہیں

صلح کے فانوس میں دیکھو صداقت کی ضیا
چل رہی ہیں آندھیاں لَو شمع کی مدّھم نہیں

آج بھی صلحِ حسنؑ کے نام سے لرزاں ہے کفر
تیرہؔ صدیاں ہو چکی ہیں، دل کی دھڑکن کم نہیں

آدمی کہتے نہیں دُنیا میں ہم اس کو پیامؔ
جس کی آنکھیں اُلفتِ آلِ نبیؐ میں نم نہیں

□□

سبطِ اکبرؑ

جہاں میں یوں تو کسی شے کو بھی ثبات نہیں
مگر رسُولؐ کے گھر کے لئے یہ بات نہیں

نبیؐ کے لال نہ ہوتے تو دین مٹ جاتا
یہ واقعات ہیں غافل تخیلات نہیں

وہی مزاج وہی حوصلہ وہی ایثار
اک آئینہ ہے نبیؐ کا حسنؑ کی ذات نہیں

حسنؑ کی صلح ہو یا جنگ شاہِ کرب و بلا
یہ فیصلے ہیں مشیت کے حادثات نہیں

لگا کے صُلح کا پھندہ گلوئے باطل میں
کہا حسنؑ نے کہ جا اب تری نجات نہیں

شکست ظلم کو میداں سے ہٹ کے دے دینا
حسنؑ کا کام تھا ہر اک کے بس کی بات نہیں

پہونچ چکا ہے ستم اپنی حدِ آخر تک!
سحر ہے صُلح کی عاشور کی یہ رات نہیں

یہ مصلحت تھی جو خاموش رہ گئے ورنہ
علیؑ کی تیغ نہیں یا علیؑ کے ہاتھ نہیں

نبیؐ کی زُلف ہے مٹھی میں دیکھ لے غافل
کبھی نہ کہنا کہ قبضے میں کائنات نہیں

بچھا ہے خوانِ کرم فیض کیجئے حاصل
حسنؑ کی بزم ہے جائے تکلفات نہیں

□□

ایک شعر

پئے عدو بھی محبت سے کام لیتے ہیں
شریف لوگ یونہی انتقام لیتے ہیں

ذکرِ حسنؑ

دوستو! رکھا ہی کیا صدّام بیچارے میں ہے
یعنی بس آواز ہی آواز نقّارے میں ہے

اس کو اندازہ نہیں ہے قوّتِ کردار کا
وہ سمجھتا ہے کہ سارا زور طیّارے میں ہے

روس و امریکا کی یہ بیساکھیاں گر جائینگی
اتنی قوّت آج بھی اسلام کے دھارے میں ہے

ظلم و استبداد کے ہاتھوں ٹکے گا کب تلک
بے گناہوں کا لہو جس قصر کے گارے میں ہے

جنگ خود ہی چھیڑ کر، دیتا ہے نعرہ صلح کا
کیسا کیسا شعبدہ ظالم کے پٹارے میں ہے

خانۂ حیدرؑ پہ پہنچا چھوڑ کر غیروں کا در
عقل انسانوں سے بڑھکر چرخ کے تارے میں ہے

یہ بنا صلحِ حسنؑ پر کرنے والے اعتراض
رائے کیا تیری نبیؐ کی صلح کے بارے میں ہے

ہر لبِ آیت پہ ہے اعلانِ انکارِ حسینؑ
نغمۂ صلحِ حسنؑ قرآں کے ہر پارے میں ہے

صلح کا پردہ ہٹا کر دیکھ جنگِ کربلا
ایک منظر اور، اس خاموش نظّارے میں ہے

فاطمہؑ کے گھر میں اُترا عرش سے اک آفتاب
روشنی جس کی ثوابت اور سیّارے میں ہے

سلوٹیں ماتھے پہ سطریں سورۂ رحمٰن کی
معنیٔ والشمس روشن تیرے رخسارے میں ہے

لوریاں دیتی ہیں زہراؑ آیتِ قرآں سے
جنبشِ قلبِ پیمبرؐ تیرے گہوارے میں ہے

ہو گئی سیراب دُنیا جب اُٹھا دستِ کرم
دیکھ کتنا جوش اس عظمت کے فوارے میں ہے

توڑ کے نوکِ قلم سے تو نے یہ بتلا دیا
کُچھ نہیں ہر بس ہوا باطل کے غبارے میں ہے

دوستو! احسان ہے یہ شبرؑ و شبیرؑ کا
روشنی اب تک جو ہر مسجد کے مینارے میں ہے

شاعری کی آبرو کہتے ہیں ہم اس کو پیام
ذکرِ اولادِ پیمبرؐ جس ادب پارے میں ہے

□□

دو شعر

ملتا نہیں ہے بُوذر و سلمان کا جگر
صدیوں سے بے وطن ہے محبت رسولؐ کی

کیا حاجیوں میں رُوحِ بلالی کہیں نہیں
اِک اِک سے پُوچھتی ہے یہ تربت رسولؐ کی

مدحِ امام حسنؑ

یہ اہلِ بیتؑ پاک کا اعلانِ عام ہے
مومن پہ ہر یزید کی بیعت حرام ہے

ڈرتا نہیں وہ گردشِ لیل و نہار سے
جس کے لبوں پہ آلِ پیمبرؐ کا نام ہے

ٹکرانے مجھ سے آئی تھیں دُنیا کی مشکلیں
یہ کہہ کے ہٹ گئیں یہ علیؑ کا غلام ہے

تیرا قلم ہے یا کہ علیؑ کی حسام ہے
ایسا اُلٹ دیا کہ نہ کوفہ نہ شام ہے

اس کو شکست دے یہ کسی کی مجال کیا
عباسؑ جس کے قوتِ بازو کا نام ہے

قبضے میں ذوالفقار بھی ہے اور قلم بھی ہے
معلوم ہے اُٹھیں کہ کہاں کس کا کام ہے

بغض اُن سے رکھ کے ذکرِ الٰہی حرام ہے
تسبیحِ فاطمہؑ کا یہ پہلا امام ہے

خیرٌ مِّن اَلفِ شہر کی تفسیر دیکھیے
تمہیدِ شام قدر، ولادت کی شام ہے

قرآں سے پہلے بولتا قرآن آگیا
اللہ کا یہ کتنا حسیں انتظام ہے

ہر دارِ کائنات کو ناقہ بنا لیا
اے فاطمہؑ کے لال یہ تیرا ہی کام ہے

ہاتھوں میں سب کھڑے ہیں قصیدے لیے ہوئے
جنّت کے در پہ شاعروں کا اژدہام ہے

(سنہ ۱۹۸۹ء ۔ ابوظبی)

□□

آئینۂ صلح

مرحبا! صلِّ علےٰ آلِ پیمبرؐ کا چلن
بھر گیا دولتِ کردار سے حق کا دامن

ان کی عصمت پہ ہے خود آیۂ تطہیر گواہ
ہے کوئی ان میں حسینؑ اور کوئی ان میں حسنؑ

بیٹھ جائے کوئی یا اُٹھ کے کھڑا ہو کوئی
ہیں بہر حال سبھی قلبِ نبیؐ کی دھڑکن

آئینہ خانۂ عصمت میں محمّد ہیں سبھی
ایک دل ایک دماغ ایک نظر ایک چلن

ایک کی ایک ہے تصویر باندازِ کمال
ایک کا ایک ہے آئینہ بعنوانِ حسنؑ

ہر نفس دینِ الٰہی کی حفاظت کا سوال
ہر گھڑی سنتے ہیں اسلام کے دل کی دھڑکن

ان کا کردار مشیت کی مکمل تصویر
ان کی سیرت ہے کہ اسلام کے چہرے کی پھبن

ان کی تعریف سے لبریز ہے دامانِ حدیث
ان کی توصیف میں وا رہتا ہے قرآں کا دہن

انھیں کلیوں سے معطر ہے گلستانِ حیات
انھیں پھولوں سے ہے شاداب صداقت کا چمن

مطمئن قلب کی وسعت کو کوئی کیا سمجھے
خود پشیماں ہیں یہاں آ کے سبھی رنج و محن

خود ضرورت ہو تو روٹی بھی بدقت ٹوٹے
بہرِ اسلام جو آجائیں تو پھر قلعہ شکن

ان کے کردار سے قائم بشریت کا وقار
ان کے احساں سے نہ اٹھے گی بشر کی گردن

کتنی دل کش ہیں یہ اسلام کی دو تصویریں
سرخیٔ خونِ حسینؑ آئینۂ صلحِ حسنؑ

کھینچ لی کفر کے چہرے سے خلافت کی نقاب
جامۂ راہبری میں جو چھپے تھے رہزن

دبدبۂ صلح کا وہ اور وہ جہادِ خاموش
توڑ دی جس نے غرورِ اموی کی گردن

قہرِ حق پوچھتا ہے مرضیٔ عصمت کیا ہے
ان کی پیشانیٔ اقدس پہ جو آجائے شکن

کربلا تیری سیاست کی رہینِ احساں
خونِ شبیرؑ میں ہے صلح تیری جلوہ فگن

رشک آتا ہے ترے فن کی بلندی پہ پیامؔ
مدحتِ آلِ نبیؐ ہے ترا موضوعِ سخن

□□

جشنِ رمضان

وقتِ ہے افطار کا صہبا ہے وہ، ساغر ہے وہ
جو نہ ایسے میں پئے انساں نہیں پتھر ہے وہ

کہتی ہے رفعت، سوارِ دوشِ پیغمبرؐ ہے وہ
سر جھکائے جو نہ اس کے سامنے خود سر ہے وہ

اے مؤرخ کیوں دورا ہے پر کھڑا ہے سوچ لے
وہ ہے دربارِ خلافت فاطمہؑ کا گھر ہے وہ

کہہ سکے حاکم سے میرے جد کے منبر سے اُتر
حوصلہ جس میں ہو ایسا صاحبِ منبر ہے وہ

صلح کرلی دینِ حق کی زندگی کے واسطے
ورنہ حیدرؑ کی طرح سے ضیغمِ داور ہے وہ

کٹ گئی باطل کی رگ رگ صلح کی شمشیر سے
اہلِ دُنیا جس کو سمجھے تھے قلم نشتر ہے وہ

نام ہے قرآن جس مجموعۂ آیات کا
غور سے دیکھا تو تیری مدح کا دفتر ہے وہ

صلح میں اور جنگ میں بس اتنا ہی تو فرق ہے
ضربِ پیغمبرؐ ہے یہ اور ضربتِ حیدرؑ ہے وہ

صُلح کی ہر شرط باطل کے لئے ہے ذُوالفقار
لکھ دی جو تحریر ظالم کے لئے خنجر ہے وہ

کہتی تھی دشتِ بلا میں حضرتِ قاسم کی جنگ
مقصدِ شبیرؑ ہے جو مقصدِ شبرؑ ہے وہ

شام کے حاکم سے بارِ صُلح اُٹھ سکتا نہیں،
اک ورق کاغذ نہیں بلکہ درِ خیبر ہے وہ

مل گیا اک لقمہ جس کو تیرے دسترخوان سے
درحقیقت نازشِ دارا و سکندر ہے وہ

اک نگاہِ لطف ہو سوئے پیامِ اعظمی!
تیری چوکھٹ کا غلام اور تیرا مدحت گر ہے وہ

□□

خاموشیٔ کردار

اس حقیقت کی خبر لشکرِ کفّار میں ہے
اُلفتِ آلِ نبیؐ ہر دلِ بیدار میں ہے

یہ سبق ان کے غلاموں سے ملا ہے ہم کو
زندگی کہتے ہیں جس کو رسن و دار میں ہے

ان کی اُلفت کا اثر ہے کہ غرورِ اَموی
بے حقیقت نگہِ میثمِ تمّار میں ہے

کیسے کافی ہو کہ قرآن کی تحریر ہے یہ
اور مفہوم تو معصوم کے کردار میں ہے

ان کو دُنیا سے غرض کیا ہے کہ خود ہی دُنیا
ہاتھ پھیلائے ہوئے آل کی سرکار میں ہے

سب محمدؐ ہیں علیؑ ہوں کہ حسنؑ ہوں کہ حسینؑ
فرقِ کردار نہ گفتار نہ رفتار میں ہے

بیٹھ جائیں کہ اُٹھیں، صلح کریں یا کہ جہاد
ایک ہی شکل ہر آئینۂ کردار میں ہے

پیش کرتا ہوں وہ مطلع جسے سُن کر محفل
بول اُٹھے گی صداقت ترے افکار میں ہے

فتح اسلام کی ہر منزلِ کردار میں ہے
صلح میں بھی وہی طاقت ہے جو تلوار میں ہے

لافتیٰ کہتے ہیں جس کو وہی عزمِ محکم!
صبر میں ہے کبھی پنہاں کبھی پیکار میں ہے

سبطِ اکبرؑ تری بے تیغ لڑائی کے نثار
خامشی چھائی ہوئی لشکرِ کفّار میں ہے

ہٹ گئی کفر کے چہرے سے خلافت کی نقاب
کتنی ہیبت تری خاموشیٔ کردار میں ہے

وہ تری صلح کی شرطیں تھیں کہ ضربِ حیدرؑ
آج تک جس کی جراحت دلِ کفّار میں ہے

کہہ رہی ہے لبِ خاموش سے خود تیغِ علیؑ
واہ کیا شان ترے صبر کی تلوار میں ہے

زینتِ کرب و بلا ہے ترے فرزند کا خوں!
تیری شرکت بھی ترے بھائی کے ایثار میں ہے

فاتحِ کرب و بلا صلح میں ہے تیری شریک
تیرا انکار بھی شبیرؑ کے انکار میں ہے

زہر دینا یہ بتاتا ہے کہ ظالم ہارا
صلح سے حشر بپا شام کے دربار میں ہے

دیکھتا ہوں کہ چٹائی کے سوا کچھ بھی نہیں
جانتا ہوں کہ کمی کیا تری سرکار میں ہے

آفریں تجھ کو ادب پر ترا احساں ہے پیامؔ
ذکرِ ممدوحِ الٰہی تیرے اشعار میں ہے

□□

عظمتِ حسینؑ

فریبِ زہد و ریاضت تو جھوٹ علم و یقیں
ترے بغیر نہ دنیا ہے کوئی چیز نہ دیں

کہاں کے کعبہ و مسجد کہاں کے علم و عمل
جو تو نہیں تو کسی شے کا اعتبار نہیں

الگ ہو تجھ سے تو دھوکا ہے دعوتِ اسلام
جدا ہو تجھ سے تو افسانہ ہے یہ شرعِ مبیں

ترے کمال کا صدقہ ہے صدق ہو کہ صفا
تیرے جمال کی بھیک آسمان ہو کہ زمیں

ترے عمل کی ہے خیرات عظمتِ کردار
زکات تیری کمائی کی علم اور یقیں

ترا کرم کہ بھرا گھر لٹا دیا تو نے
تری عطا سے ہے لبریز آج کاسۂ دیں

ہے جسمِ پاک پہ زخموں کی کوئی حد نہ شمار
مگر سکون کے ماتھے پہ اک شکن بھی نہیں

بجھا دیا شبِ عاشور تو نے ایک چراغ
جلا کے قلبِ بشر میں ہزاروں شمعیں یقیں

تری اَجل سے ملی دینِ کبریا کو حیات
ترے لہو سے ہے روشن رسولِ حق کی جبیں

ثبوتِ ذاتِ خدا تیرا سجدۂ آخر
متاعِ اشہد اَن لا الٰہ تیری "نہیں"

ترے عمل کے ہیں ممنون اب خلیلؑ و کلیمؑ
پیمبروں میں بھی تیری کوئی مثال نہیں

سرِ نیاز جھکاتا ہے اپنا چرخِ بریں
ترے لہو نے بڑھایا ہے اتنا وزنِ زمیں

سناں کی نوک پہ دیتا تھا تیرا سر یہ صدا
کٹا کے سر بھی جہاں میں ہیں سربلند ہمیں

سنہ ۱۹۶۴ء

□□

تاریخ کے جھروکوں سے

کہیں مرحب نظر آیا کہیں عنتر نظر آیا
رہِ اسلام میں ہر معرکہ خیبر نظر آیا

حرم والوں کی محفل میں بھی یہ منظر نظر آیا
کہیں صہبا کہیں شیشہ کہیں ساغر نظر آیا

لٹیروں کا مجاہد نام اس مذہب نے رکھا تھا
غنیمت جان کر لوٹا اُسے، جو گھر نظر آیا

اُجالے میں جسے دیکھا تھا مسجد میں مصلّے پر
اندھیرے میں وہی میخانے کے اندر نظر آیا

جگر کہتے ہیں جس کو دردِ انسانی سے خالی تھا
جسے کہتے ہیں دل، پہلو میں اک پتھر نظر آیا

جسے کعبہ سمجھتے تھے وہ بُت خانہ ہوا ثابت
موحّد جان کر جس سے ملے، آزر نظر آیا

بہت تھے رحمۃٌ للعالمینؐ کے ماننے والے
مگر ہر ایک ظُلم و جور کا پیکر نظر آیا

عبادت ایک ڈھوکا تھی، شریعت ایک سازش تھی
مسلماں جس کو سمجھے تھے وہ بازی گر نظر آیا

جو دستارِ فضیلت باندھ کر اس بزم میں پہونچا
بالآخر دیدۂ عبرت کو ننگے سر نظر آیا

قبائے زہد کے اندر ہوس کے بدنما دھبّے
جو بُت تھا آستیں میں ذہن کے اندر نظر آیا

سُنا تھا خاکساری شیوۂ اہلِ خلافت ہے
جو دیکھا تو ہر اک دارا و اسکندر نظر آیا

نہ پوچھو کیا صِلہ ملتا تھا اظہارِ صداقت کا
زبانِ میثمِ تمّار پر خنجر نظر آیا

غریبوں کا ہو مالِ غنیمت اِنکی نظروں میں
جہاں پہونچے قدم اِن کے وہیں محشر نظر آیا

نمایاں تھی سیاہی دل کی سجدوں کا نشاں بنکر
کہ اک دھبّہ جبینِ آدمیتّ پر نظر آیا

کھُلی تھیں ہر طرف ظلم و ستم کی سیکڑوں راہیں
مقفّل کعبۂ امن و اماں کا در نظر آیا

یہ سوچا تھا قرار اسلام کے دامن میں آئیگا
یہاں آئے تو جینا اور بھی دوبھر نظر آیا

قدم واپس پلٹنے ہی کو تھے پھر کفر کی جانب
کہ اتنے میں درِ اولادِ پیغمبرؐ نظر آیا

نگاہیں جاگ اُٹھیں سر جُھک گیا دل نے پڑھا کلمہ
ستارہ بخت کا اوجِ ثریّا پر نظر آیا

جمالِ پنجتنؑ سے یوں نظر کا زاویہ بدلا
جو اَب دیکھا تو بُت خانہ خدا کا گھر نظر آیا

تہی دامن جسے سمجھے تھے وہ فِضّہؑ ہوئی ثابت
جسے مفلس سمجھتے تھے وہی بُوذَرؓ نظر آیا

جدھر دیکھا محبّت ہی کا دریا موجزن دیکھا
جسے دیکھا کمالِ رحمتِ داور نظر آیا

نظر آئے کئی رخ ایک ہی تصویرِ عصمت میں
کوئی احمدؐ کوئی زہراؑ کوئی حیدرؑ نظر آیا

نبیؐ کی گود میں دیکھا تو ایک صلحِ مجسّم تھا
کنارِ صابرہ میں صبر کا پیکر نظر آیا

ہوا بیدار ذوقِ مدح خوانی قلبِ شاعر میں
قلم آگے بڑھا مطلع یہ کاغذ پر نظر آیا

سرِ دوشِ نبیؐ دیکھا تہِ خنجر نظر آیا
جہاں پہونچا وقارِ دینِ پیغمبرؐ نظر آیا

اگر کہہ دوں خلیلؑ اللہ کا ہمسر نظر آیا
تو پھر کہنا پڑے گا اور بھی بڑھ کر نظر آیا

فروغِ لالہ زارِ دینِ پیغمبرؐ نظر آیا
لہوئے شیر کا جب اُس کے چہرے پر نظر آیا

جو قبضہ اہلِ باطل کا سرِ منبر نظر آیا
تو پھر وہ بولتا قرآن نیزے پر نظر آیا

ملا اک مستقل عنوان تاریخِ عبادت کو
جو اُس کا سجدۂ آخر تہِ خنجر نظر آیا

مَلَک کو معترف ہونا پڑا انساں کی عظمت کا
رہِ حق میں جب اُس کا مختصر لشکر نظر آیا

عقیدہ ہی نہیں بلکہ یہی ہے تجربہ اپنا
نہ پایا جس میں اُس کا غم وہ دل پتھر نظر آیا

پیامؔ آلِ نبیؐ کی مدح کا اعجاز ہے یہ بھی
کہ جس نے لکھ لیے دو شعر منبر پر نظر آیا

□□

رگِ گردن بڑھے گی غنچۂ شمشیر سے پہلے
تصوّر بھی نہ تھا اس کا کبھی شبّیرؑ سے پہلے

دَر و دیوار پڑھتے ہیں اسی معمار کا کلمہ
جو دے بنیاد میں اپنا لہو تعمیر سے پہلے

اسی پر ناز فرماتی ہے خود اللہ کی رحمت
عنایت دشمنوں پر جو کرے تعزیر سے پہلے

اذاں دی ہو تہِ شمشیر جس نے خشک ہونٹوں سے
زباں پر اس کا نام آئے نہ کیوں تکبیر سے پہلے

بنا دیتا ہے جو بگڑی ہوئی قسمت زمانے کی
خدا اس کی رضا لیتا ہے ہر تقدیر سے پہلے

نبیؐ کی آل کی سیرت ہے یا اک بولتا قرآں
معمّہ تھی کتاب اللہ اس تفسیر سے پہلے

طہارت بن کے آیا آیۂ تطہیر سے پہلے
کہ اُمت اصل کو پہچان لے تصویر سے پہلے

ترے بے جان سجدے کس کے کام آئیں گے اے زاہد
سبق سجدوں کا لے جا کر درِ شبّیرؑ سے پہلے

بہتّر پہلوؤں میں ایک جیسے دل دھڑکتے ہیں
یہ ہم رنگی کہاں تھی لشکرِ شبّیرؑ سے پہلے

وجودِ ذاتِ باری کی دلیل اور اتنی مستحکم
کسی مذہب میں کب تھی سجدۂ شبّیرؑ سے پہلے

سلام اے فاطمہؑ کے چاند اے اسلام کے سورج
اندھیرا تھا عقیدوں میں تری تنویر سے پہلے

ترے جلووں میں روشن ہو گئیں اسلام کی قدریں
کہ ہر تصویر پنہاں تھی تری تصویر سے پہلے

یہ آنکھیں بے بصیرت تھیں جب اشکِ غم نہ ٹپکا تھا
یہ دل پتھر سا تھا تیرے دردِ عالمگیر سے پہلے

زمینِ گرم پہ کھلتے ہوئے ایماں کے گُل بُوٹے
کہاں دیکھے تھے تیرے خون کی تقطیر سے پہلے

اُجالا تیرے غم کی شمع کا بیدار ذہنوں تک
پہونچ جاتا ہے مہر و ماہ کی تنویر سے پہلے

وہ حربہ، ظلم کا ہر اسلحہ جس سے پناہ مانگے
نہیں دیکھا کسی نے خندۂ بے شیر سے پہلے

سنبھل اے حرملہ اب سعیِ لاحاصل سے کیا حاصل
کہ اصغرؑ کر چکا ہے وار اپنا تیر سے پہلے

جو چمکی کربلا میں اور جلایا شام کا خرمن
وہ بجلی کب گری تھی خندۂ بے شیر سے پہلے

تصوّر ٹھوس بنیادوں پہ عصمت اور شرافت کا
نہ تھا بے پردگیٔ زینبؑ دلگیر سے پہلے

دلوں میں ان کی یاد آتی ہے جب تدبیر سے پہلے
مشیت کہتی ہے لبیک ہر تقدیر سے پہلے

حقائق نقطۂ موہوم تھے شبیر سے پہلے
کہ ہر تصویر تھی پردے میں اس تصویر سے پہلے

مری طرزِ نگارش پر زمانہ رشک کرتا ہے
تمھارا نام لکھ دیتا ہوں ہر تحریر سے پہلے

پیام آیا سرِ منبر وقارِ شاعری بن کر
یہ رتبہ کب ملا تھا مدحتِ شبیر سے پہلے

□□

اے ذاکرانِ شہِ مظلوم واہ واہ
تم نے مجاہدوں کو مجاور بنا دیا

زندہ کتاب

پہونچی جو بزمِ آلِ رسالت مآبؐ میں
جلوے سمٹ گئے نگہِ انتخاب میں

اشکوں سے دُھل چکے ہیں فرشتو! سبھی گناہ
اب ڈھونڈتے ہو کیا مرے فردِ حساب میں

آؤ یہاں بھی کرتے چلیں سجدۂ نیاز
کعبہ بھی آگیا ہے درِ بوترابؑ میں

آلِ نبیؐ سے ہٹ کے رہِ حق کی ہے تلاش
دیوانو! آب ڈھونڈ رہے ہو سراب میں

آکر نبیؐ کے لال نے بخشا اسے سکوں
تھا مدّتوں سے دینِ خدا اضطراب میں

قدرت نے شاعرانِ عرب کے جواب میں
تیرا قصیدہ لکھ دیا امّ الکتاب میں

وہ انبیاء سہی مگر اب تیرے سامنے
آتا نہیں ہے کوئی نگہِ انتخاب میں

اے شہسوارِ دوشِ رسالتؐ تو ہی بتا
معیار کیا بنے تری عظمت کے باب میں

کی ہے وہاں سے سبطِ پیمبرؐ نے ابتدا
تمّت جہاں لکھا تھا عمل کی کتاب میں

کرب و بلا بسا کے زمیں کو کیا بلند
ورنہ دھرا ہی کیا ہے جہانِ خراب میں

سُوکھے لبوں پہ وہ ترے بے شیر کی ہنسی
کافی ہے سارے ظلم و جفا کے جواب میں

نوکِ سناں پہ محوِ تلاوت ہے سر ترا
یا جان پڑ گئی ہے خدا کی کتاب میں

چلتا ہے وقت دیکھ کر نقشِ قدم ترا
تیرا ہی نام آتا ہے ہر انقلاب میں

کرب و بلا سے ہو کے گزر جاؤ اے پیامؔ
اب کوئی پیچ و خم نہیں راہِ صواب میں

□□

قطعہ

ڈھالے ہوئے افسانے سُنا دیتے ہو
محفل کو طلسمات بنا دیتے ہو
کروٹ بھی بدلنے نہیں پاتی ملّت
تم لوریاں دے دے سُلا دیتے ہو

ذکرِ حسینؑ

مظالم تھک کے سر اپنے گریبانوں میں ڈالے ہیں
حریفِ عزمِ انسانی نہ خنجر ہیں نہ بھالے ہیں

انھیں مشکل ہے کیا چاہے جہاں ساحل بنا ڈالیں
جو خود اپنے لہو میں اپنی کشتی کھینے والے ہیں

جفائیں تیری تجھ کو اے جفا جو خود ہی ڈس لیں گی
یہ شمشیریں نہیں ہیں آستیں میں سانپ پالے ہیں

گلوئے خشک پر روکا ہے جن کو ہنس کے شیروں نے
وہ تیرِ ظلم ظالم پر پلٹ کر آنے والے ہیں

بچا سکتا نہیں تجھ کو تیرا قصرِ حکومت بھی
تعاقب میں ترے فوجیں نہیں بیکس کے نالے ہیں

شہیدوں کے لہو کا فیصلہ ہر کون روکے گا
وہی زندہ رہیں گے جو وفا پر مرنے والے ہیں

لہو کے پاک قطرے لالہ و گل بن کے اُبھریں گے
گلستاں لہلہائیں گے جہاں پر خون کے تھالے ہیں

طلب بیعت کی ہے یا چیونٹیوں نے پر نکالے ہیں
یہ ظالم آج خود ہی اپنے ہاتھوں مرنے والے ہیں

دلوں پر آج تک قائم ہے قبضہ ابنِ زہراؑ کا
نہ ہیں وہ شام کی فوجیں نہ کوفے کے رسالے ہیں

تڑپتی ہے علیؑ کی تیغ اِک پیاسے کے ہاتھوں میں
فلک پر حضرتِ جبرئیلؑ اپنے پر سنبھالے ہیں

گلے بڑھ بڑھ کے حملے کر رہے ہیں تیغ و خنجر پر
حسینی جنگ کے انداز بھی کتنے نرالے ہیں

ہیں جن سے آج تک سیراب قدریں آدمیت کی
زمینِ گرم سے پیاسوں نے وہ زمزم نکالے ہیں

سلام اے فاطمہؑ کے چاند اے اسلام کے سورج
لہو سے اپنے لاکھوں چاند سورج تو نے ڈھالے ہیں

عرب کی سرزمیں تو خیر مطلع ہے ترا لیکن
فضائے ہند میں بھی تیری عظمت کے اُجالے ہیں

یزیدیّت کو ننگا کر دیا ہے بزمِ ہستی میں
رُخِ باطل سے تو نے سارے پردے نوچ ڈالے ہیں

ترے بچوں کے تیور جنگ کے میداں میں کہتے تھے
یہ فوجیں سمجھی بوجھی ہیں یہ لشکر دیکھے بھالے ہیں

جگر ہے اکبرؑ و عباسؑ کا معصوم سینوں میں
یہ بچے ہیں مگر شبیرؑ کی گودی کے پالے ہیں

ہے ناکام آج تک بخیہ گری اہلِ سیاست کی
قبائے سلطنت میں تو نے اتنے چاک ڈالے ہیں

علیؑ نے خانۂ حق سے ہٹایا لات و عزیٰ کو
دلوں کے بت مگر جانِ علیؑ تو نے نکالے ہیں

تیرے ہاتھوں پہ صدقے جن پہ ہے شبّیر کی میّت
کہ وزنِ کارہائے انبیاء اس دم سنبھالے ہیں

فدائے دردِ دیں کر کی ہے یوں پیغمبری تو نے
جو لامذہب ہیں وہ بھی تیرا کلمہ پڑھنے والے ہیں

تری سیرت نگاری کی حدوں میں آکے ٹوٹا ہے
غرور اس کا کہ ہم نے علم کے دریا کھنگالے ہیں

ادب اک قطرۂ بے مایہ ہے دریائے عظمت کا
تخیّل بے بضاعت فکر کے پاؤں میں چھالے ہیں

تہی لفظوں کا دامن ہے نظیریں گم مثالیں چپ
اگر کچھ ہیں تو بس تیرے اب وجد کے حوالے ہیں

ترے جلووں نے خیرہ کر دیا ہے چشمِ شاعر کو
کہ خود سورج پہ سورج کی شعاعیں پردہ ڈالے ہیں

(سنہ ۱۹۶۴ء۔ فیض اباد)

مدحِ حسینؑ

ہم اربابِ نظر ہیں معتقد بس ایسے رہبر کے
جو دل انسان کا دھڑکا سکے سینے میں پتھر کے

ہزاروں راہزن روکے ہوئے تھے راستہ اپنا
درِ حیدرؑ تک آپہونچے دھنی تھے ہم مقدّر کے

سفینے پر مرے مولا علیؑ کا نام لکھا ہے
گزر جاتے ہیں طوفاں دور ہی سے سر کو خم کر کے

جو روکے راہِ حق ہم اس بزرگی کے نہیں قائل
کہ بُت بُت ہی تو ہیں مٹی کے ہوں یا سنگِ مرمر کے

کہاں تک ساتھ دیتے زندگی میں اہلِ دنیا کا
کہ وہ ہیں بندۂ زر اور ہم ساتھی ابوذر کے

نہ جانے کیوں اتر جاتا ہے چہرہ اب بھی لوگوں کا
سنا دیتے ہیں ہم جس وقت قصّے فتحِ خیبر کے

ملے ہیں اس طرح کردار آپس میں بہتّر کے
کہ تھے پیوند جیسے فاطمہ زہراؑ کی چادر کے

دلِ زینبؑ کی دھڑکن قوتِ بازو ہیں شبّرؑ کے
نبیؐ کے لال زہراؑ کے پسر بیٹے ہیں حیدرؑ کے

نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ و کعبہ و قرآں
علیؑ کے لختِ دل یہ سب ہیں پروردہ ترے در کے

لعیں کہتے تھے شہ کو دیکھ کے دریا سے ہٹ جاؤ
سمجھ لو یہ بڑے بھائی ہیں عباسِؑ دلاور کے

لہو سے تو نے تاریخِ حیاتِ مصطفےٰؐ لکھ دی
قلم رُشدیؔ کا اب لکھا کرے قصّے جہاں بھر کے

مسلمانو! قیامت میں انھیں کی سلطنت ہوگی
ہیں ماں خاتونِ جنّت اور پدر ساقی ہیں کوثر کے

بغاوت ان سے کر کے کیا نبیؐ کو منہ دکھاؤ گے
بس اتنا جان لو محبوبؐ ہیں محبوبِؐ داور کے

شہیدِ کربلا

بنا ہے عشق کی ان منزلوں پر آشیاں اپنا
جہاں دامن بچا لیتی ہیں خود ہی بجلیاں اپنا

مری، روندی ہوئی راہوں کو سب منزل سمجھتے ہیں
ہمیشہ وقت کے آگے رہا ہے کارواں اپنا

خود اپنے خون میں ڈوبے خود اپنے خون میں ابھرے
ہزاروں بار دُنیا لے چکی ہے امتحاں اپنا

گواہی دے رہی ہے آج تک پھولوں کی شادابی
خود اپنے خون سے سینچا ہے ہم نے گلستاں اپنا

ہوا جب بھی تسلّط ظلمتوں کا صحنِ گلشن پر
ہمیں نے روشنی کر دی جلا کر آشیاں اپنا

حرم ہو کربلا ہو شام ہو کوفہ ہو مشہد ہو
گلستاں کھل گئے ٹھہرا جہاں بھی کارواں اپنا

خزاں کی گود میں وہ پھول سا کھلتا ہوا چہرہ
زمانے کو ابھی تک یاد ہوگا باغباں اپنا

لگی تھی جب لبِ صدق و صفا پر مہرِ خاموشی
زبانِ زندگی بن کر اُٹھا تھا بے زباں اپنا

اکیلے سر کیا دار و رسن کا مرحلہ ہم نے
خدا شاہد نہیں کوئی شریکِ داستاں اپنا

ہمارے سامنے تخت و حکومت کی حقیقت کیا
نبیؐ کے دوش پر چلتا ہے میرِ کارواں اپنا

حسینؑ آئے پیمبرؐ کو ملا آرامِ جاں اپنا
تبسم ریز ہے کعبہ کہ پایا پاسباں اپنا

نبیؐ کر جائیں گے ان کے حوالے دیں کا مستقبل
چھپاتے ہیں زباں شاید بنائیں ترجماں اپنا

گزاری زندگی اپنی بساطِ خاک پر لیکن
بنایا ہے سرِ عرشِ معلّٰی آشیاں اپنا

پلا دیتے ہیں پانی فوجِ دشمن بھی جو پیاسی ہو
بنا لیتے ہیں خود قاتل کو اپنے میہماں اپنا

زمانہ دیکھ لے آکر علیؑ کے لال کی صُورت
نبیؐ دیں گے اسی پیکر میں اک دن امتحاں اپنا

کبھی بابا کی گودی میں کبھی نانا کے کاندھے پر
نبیؐ سے صبر حیدرؑ سے لیا عزمِ جواں اپنا

نبیؐ سجدے میں ہیں اور پشت پر ہے حافظِ سجدہ
اُٹھائیں سر بھلا کیسے رسُولِؐ دو جہاں اپنا

پیامؔ اس مدحِ خوانی کا صِلہ مانگے تو کیا مانگے
یہی انعام کیا کم ہے بنایا مدح خواں اپنا

□□

انکارِ حسینؑ

تیغ کی دھاروں کا رُخ موڑا لہو کی دھار نے
تیغ کا سر جھک گیا سجدے کیے تلوار نے

تشنگی نے چھین لی دریا کی ساری آبرو
ہاتھ جوڑے خشک لب کے سامنے منجدھار نے

تھیں وہ پیاسوں کی صفیں یا آہنی دیوار تھی
راستہ پایا نہ بڑھنے کے لیے سوفار نے

سازِ بیعت بے صدا طبلِ حکومت ہے خموش
سب کو گونگا کر دیا زنجیر کی جھنکار نے

بھیجے تھے اپنے نمائندے پئے ایفائے عہد
ماں کی ممتا باپ کی شفقت بہن کے پیار نے

آج بھی تختِ حکومت کو نہیں ملتا قرار
ایک ہی ٹھوکر لگا دی تھی شہِ ابرار نے

جل گیا سوزِ عطش سے سنگ و آہن کا غرور
یہ بھی ہو سکتا ہے، یہ سوچا نہ تھا تلوار نے

کربلا میں شاہِ دیں نے قتل بیعت کو کیا
شام میں دفنایا جا کر عابدِ بیمار نے

مصطفےٰؐ کے لختِ دل سے کر کے بیعت کا سوال
قبر خود اپنی بنا لی لشکرِ کفار نے

ہے برستا آج بھی بن کر وفاؤں کی گھٹا
پھینکا تھا پانی جو عباسؑ علمبردار نے

لکھ دیا تاریخ کے ماتھے پہ حرفِ لا الٰہ
لاج رکھ لی دین کی شبیرؑ کے انکار نے

□□

دوشِ رسالت کی تجلّی

حقِ عرفاں ملا دین کی رفعت دیکھی
دامنِ آل میں اللہ کی رحمت دیکھی

مختلف دور میں یک رنگیِ سیرت دیکھی
جتنے آئینوں کو دیکھا وہی صورت دیکھی

حق کا اعجاز ہیں احمدؐ کے گھرانے والے
جس پہ ڈالی نظر اللہ کی رحمت دیکھی

یوُنہی ہر حال میں چلتی رہی کردار کی تیغ
یعنی ہر دور میں باطل نے ہزیمت دیکھی

عرش ہو کعبہ ہو یا دوشِ پیمبرؐ کی فضا
ہر جگہ روشنیِ شمعِ امامت دیکھی

صلح ہو جنگ ہو یا قید وستم کی منزل
جب بھی دیکھا وہی کردار کی عظمت دیکھی

جگمگاتی ہوئی اسلام کی قسمت دیکھی
اک تجلّی سی سرِ دوشِ رسالت دیکھی

ابنِ زہراؑ تری ہر ایک ادا کے صدقے
ہم نے قرآں میں نہ اس شان کی آیت دیکھی

رجعتِ شمس ہوئی بہرِ نمازِ علوی
تیرے سجدوں سے تو اسلام کی رجعت دیکھی

پُشت پر حاملِ سجدہ ہے جبیں سجدے میں
دیکھنے والو! پیمبرؐ کی عبادت دیکھی

اپنی غربت کا گلا تھا نہ تو فاقوں کا خیال
دل تڑپ اُٹھا جو اوروں کی مصیبت دیکھی

بچپنے ہی میں بتاتا ہے ہر اندازِ قدم
گھر لٹا دیں گے جو اس کی بھی ضرورت دیکھی

وجد کرنے لگا خود انجمن آرائے ازل
کربلا میں جو تیری بزمِ شہادت دیکھی

تیری اعجاز نگاہی نے بدل دی فطرت
جونؑ کے دل میں بھی عباسؑ کی ہمت دیکھی

اے دل و جانِ نبیؐ تیرے لہو کے صدقے
کتنی نکھری ہوئی اسلام کی فطرت دیکھی

بن گئی موت ترے واسطے بیعت کی طلب
اے یزید! آلِ پیمبرؐ کی جلالت دیکھی

میرے اشعار فرشتوں میں پڑھے جاتے ہیں
منکرو! آج تو مدّاح کی عظمت دیکھی

روک لی تیغ مگر جنگ نہ باطل سے رُکی
وارثِ زورِ علیؑ تیری شجاعت دیکھی

□□

ماہِ زہراؑ

جلوہ گاہِ سیرتِ آلِ عباؑ دیکھا کیے
آسماں والے زمیں کا مرتبہ دیکھا کیے

نفس کے ماحول میں کردار کی معصومیت
خود فرشتے آدمی کا حوصلہ دیکھا کیے

چودہ شمعوں کو جلایا حق نے اس ترتیب سے
تا بہ منزل روشنی کا سلسلہ دیکھا کیے

کتنی دیدہ زیب ہیں سیرت کی ہم آہنگیاں
ایک صورت ابتدا تا انتہا دیکھا کیے

آئینوں کو حق کے جھٹلاتے کہاں تک اہلِ کفر
ہر ادا میں معجزہ ہی معجزہ دیکھا کیے

ہو رہا تھا یوں تعارف اہلِ بیتِ پاکؑ کا
ساکنانِ عرش زہراؑ کی ردا دیکھا کیے

مفلسی حیراں کہ رُکتا ہی نہیں سیلِ کرم
اہلِ زر فاقہ کشوں کا حوصلہ دیکھا کیے

تیسرا روزہ ہو یا وہ تین دن کی بھوک پیاس
روئے روشن پر جلالِ ھل اتیٰ دیکھا کیے

تھک گئے تاویل کرتے کرتے اربابِ ریا
ہر جگہ قرآں میں ان کا تذکرہ دیکھا کیے

کس میں ہمّت تھی چھپا دیتا جو تصویرِ رسولؐ
چودہؑ آئینوں میں عکسِ مصطفیٰؐ دیکھا کیے

بن گیا آخر وہ احساسِ شکستِ دائمی
فتح کا جو خواب برسوں اشقیا دیکھا کیے

بجھ گئی شمعِ شبِ غم، جل اُٹھے دل کے چراغ
اے شبِ عاشور ہم تیری ضیا دیکھا کیے

لے رہا ہے آج تک قلبِ دو عالم سے خراج
اے علیؑ کے لال تیرا دبدبہ دیکھا کیے

یوں سمٹ آئے ترے دامن میں جیسے آج تک
صبر و ضبط و شکر تیرا راستہ دیکھا کیے

جب ہوا انکارِ بیعت کربلا کی دھوپ میں
شیرِ زہراؑ کا اثر شیرِ خدا دیکھا کیے

ہو گئے اذہان روشن جگمگا اُٹھے قلوب
چاند سورج ماہِ زہراؑ کی ضیا دیکھا کیے

سر پہ تیرے یوں ہوا تاجِ شہادت ضو فگن
دیدۂ حسرت سے ہم کیا انبیاؑ دیکھا کیے

پھر نہ کھایا قومِ مسلم نے خلافت کا فریب
آج تک نافذ یہ تیرا فیصلہ دیکھا کیے

کتنے طوفاں چودہ صدیوں میں اُٹھے ہونگے مگر
تجھ کو روشن اے چراغِ کربلا دیکھا کیے

تیرا سجدہ ذاتِ باری کی ہے مستحکم دلیل
تیرا اندازِ امامت انبیاء دیکھا کیے

(۱۹۶۵ء۔ فیض آباد)

□□

قرآنِ فاطمہؑ

ظلم کا مرقد بنا کر قصرِ عالی شان کو
دفن تو نے کر دیا بیعت کے ہر امکان کو

پھیلی ہے آلِ ابو طالبؑ ستاروں کی طرح
ڈس گیا خود ظلم اولادِ ابو سفیان کو

جو قبائے مشک و عنبر دے گئے انسان کو
میّتیں ان کی ترستی رہ گئیں لوبان کو

بے وفا ہے کس قدر یہ چار دن کی زندگی
تولتی ہے ظلم کے کانٹے میں جو انسان کو

اُف یہ لفظوں کا تماشا کہتے ہیں اس کو غنی
بند دروازہ جو کر لے دیکھ کر مہمان کو

دل پہ شیطانوں کا قبضہ ہے تو پھر کیا فائدہ
جایئے مکّے میں پتھر ماریئے شیطان کو

موت سے ڈر کر کہاں جاؤ گے اے اہلِ ہوس
راستے جتنے ہیں سب جاتے ہیں قبرستان کو

نوکِ نیزہ کی بلندی پر اذاں اب کون دے
سجدہ کرتا ہے خود انساں آجکل انسان کو

دولتِ دُنیا کے پیچھے چل رہا ہے کلمہ گو
ڈھونڈھتا ہے دل مزاجِ بوذرؑ و سلماںؑ کو

کاٹ سکتا ہے لہو سے اہلِ باطل کا گلا
جان دینے کا سلیقہ ہو اگر انسان کو

کاش جاگ اُٹھے دلِ مومن میں رُوحِ کربلا
ٹھوکروں کی ہے ضرورت ظلم کے ایوان کو

دے دیا آغوشِ مرسل میں علیؑ کی جان کو
فاطمہؑ نے رکھ دیا قرآن پر قرآن کو

نہ پہونچی دامنِ ایماں تک اُنگلی اہلِ باطل کی
قبائے سلطنت کی اُڑ چکی ہیں دھجیاں اکثر

لہو کا ایک قطرہ کس طرح طوفاں اُٹھاتا ہے
نگاہِ وقت نے دیکھا تو ہوگا یہ سماں اکثر

چراغِ فاطمہ زہراؑ کی لَو مدھم نہیں ہوتی
اُٹھے ہیں بارہا طوفاں، چلی ہیں آندھیاں اکثر

□□

قطعہ

مدح کی ہے خالقِ ارض و سما نے آپؑ کی
پہلے ہی تصدیق کی ہے انبیاؑ نے آپؐ کی

کون دے سکتا ہے آخر اتنی عظمت کا جواب
جو تیاں ٹانکیں نصیری کے خدا نے آپؐ کی

روشنی

درِ آلِ نبیؐ پر قسمتِ اہلِ یقیں چمکی
دلِ سلماں ہوا روشن ابوذر کی جبیں چمکی

جہاں پہونچے قدم ان کے وہ خطّہ ہوگیا روشن
جہاں ٹپکا لہو ان کا وہیں تقدیرِ دیں چمکی

بکھرتے جا رہے ہیں ہر طرف کردار کے جلوے
دلوں میں روشنی بکھری فلک چمکا زمیں چمکی

انھیں کے نام سے انسانیت کا اعتبار آیا
فرشتوں نے جھکایا سر جو آدم کی جبیں چمکی

امامت کا شرف پایا انھیں کا معتمد بن کر
انھیں کی بزم میں تقدیرِ جبریلِؑ امیں چمکی

تکلّم سے ہوئی ہیں آیتیں قرآں کی روشن
تبسّم سے فضائے دوشِ ختمُ المرسلیں چمکی

سرِ محفل وہ مطلع عرض کرتا ہوں جسے سُن کر
کہیں گے اہلِ فن ہاں اب قصیدے کی زمیں چمکی

سرِ دوشِ نبیؐ چمکی تہِ تیغِ لعیں چمکی
صداقت کی تجلی تھی جہاں پہونچی وہیں چمکی

حسینؑ انکارِ بیعت تیغ کے سایہ میں کرتے ہیں
کلامِ پاک میں اب آیتِ فتحِ مبیں چمکی

مبارک جون تیرا سر، مہِ زہرؑا کے زانو پر
منوّر تیری صورت بھی ہے بہشت ہی نہیں چمکی

زمینِ کربلا پر خون ہوا شبیرؑ کا روشن
دیارِ شام میں زنجیرِ زین العابدینؑ چمکی

اجل کی گود میں نکھرا جمالِ اکبرِ مہرو
لہو میں ڈوب کر تصویرِ ختمُ المرسلیںؐ چمکی

زباں پر جس گھڑی نام آگیا ابنِ علیؑ تیرا
دلوں سے ظلمتِ شر مٹ گئی شمعِ یقیں چمکی

ترا انکارِ بیعت ضو فگن ہے اب بھی دُنیا میں
مگر وہ شمعِ بیعت بعد تیرے پھر نہیں چمکی

حسینی آستاں پر سر جُھکانا فرض ہے اپنا
مگر وہ آتشِ بیعت جہاں میں پھر نہیں چمکی

وفا کی تیغ بن کر خود ہی چمکا تھا سرِ مقتل
مگر عبّاسؑ کی تلوار میداں میں نہیں چمکی

تمہارا لال بنتِ مصطفےٰؐ کا بن گیا بیٹا
تمہارے شیر کی دھار آج اے امُّ البنیں چمکی

بنایا مدح خواں اپنا کرم یہ کم نہیں ان کا
پیام اب کیوں کہوں ان سے مِری قسمت نہیں چمکی

(سنہ ۱۹۶۳ء ۔ الہ آباد)

□□

حسینؑ ابنِ علیؑ

نہ فکر خشک سالی ہے نہ خوفِ بادِ باراں ہے
چمن اسلام کا پروردۂ خونِ شہیداں ہے

جہازِ زندگی پر ابنِ حیدرؑ تیرا احساں ہے
بنایا ڈوب کر تو نے یہ ساحل ہے نہ طوفاں ہے

سلام اے فاطمہؑ کے چاند اے اسلام کے سورج
اُجالے میں ترے تقدیرِ انسانی درخشاں ہے

نبیؐ کی دوش ہو یا نوکِ نیزہ کی بلندی ہو
تری رفعت کے آگے عرشِ اعظم بھی پشیماں ہے

تیری مظلومیت کا راج ہے قلبِ دوعالم پر
غرورِ تخت و تاج و سلطنت سر در گریباں ہے

قبائے سلطنت کی یوں اُڑائیں دھجّیاں تو نے
کہ اب تک غرقِ ناکامی گروہِ بخیہ کاراں ہے

لُٹا کے اپنا گھر عترتؐ بچائی ہے نبیوں کی
ترا انکارِ بیعت ہے کہ ناموسِ رسُولاں ہے

خدائے درد بن کر کی ہے یوں پیغمبری تو نے
کہ ہر اک منکرِ توحید بھی تیرا مسلماں ہے

ترے سُوکھے ہوئے ہونٹوں نے وہ زمزم بہائے ہیں
خدائے کوثر و تسلیم بھی جس کا ثنا خواں ہے

کھلائے آبِ خنجر میں وہ ایماں کے کنول تُو نے
معطّر آج تک جس سے مشامِ دین و ایماں ہے

تراشے دل بنائے ذہن ڈھالا ہے مزاجوں کو
کہ جو اک مورِ بے مایہ تھا ہمدوشِ سلیماں ہے

جلا دیں زندگی کی راہ میں سیرت کی قندیلیں
جو مشتِ خاک تھا وہ افتخارِ بزمِ امکاں ہے

صدائے غیب آئی ہوگی اے فرزندِ زہرا تو
مرا بندہ ہے لیکن خالقِ کردارِ انساں ہے

مشیت جائزہ لے گی جب اُن کے کارناموں کا
صدا دیں گے یہ پیغمبر میرے بیٹے کا احساں ہے

قیامت تک نہ مُرجھائیں گے اب اخلاق کے غنچے
شہیدوں کی ضمانت میں شریعت کا گلستاں ہے

دیارِ کربلا، جس پر تصدّق جنّت و کوثر
جہاں کا ذرّہ ذرّہ درس گاہِ نوعِ انساں ہے

سنہ ١٩٥٦ء

□□

فتحِ مظلومؑ

تیرے عمل کی بات جو گلشن میں آگئی
بجلی خود آکے میرا نشیمن بنا گئی

اُٹھی تھی بحرِ صبر سے اک موجِ تشنگی
جلتی ہوئی زمین پہ زمزم بہا گئی

زخموں کے گُل کھلے تو مہکنے لگی حیات
ٹپکی لہو کی بُوند تو گلشن کھلا گئی

جلتی ہوئی زمین سے کوثر اُبل پڑے
موت آکے زندگی کے خزانے لُٹا گئی

اللہ رے تیرے نازِ نبوّت اُٹھا گئی
مخدومہ جہاں تیرا جھولا جھلا گئی

اے فاطمہؑ کے نور ترے فیضِ نور سے
دوشِ رسولِ حق کی فضا جگمگا گئی

پھیلی کچھ اس طرح تری سیرت کی روشنی
پیشانیِ کتابِ خدا جگمگا گئی

نیزے پہ جب طلوع ہوا فاطمہؑ کا چاند
اسلام کی حیات اُجالوں میں آ گئی

کتنی عظیم تھی شبِ عاشور کی وہ شمع
جو بجھ کے بھی چراغ دلوں کے جلا گئی

سارا غرورِ خنجر و شمشیر توڑ کے
"مظلومیتِ حسینؑ کی عالم پہ چھا گئی"

سنہ ۱۹۶۹ء ۔ الہ آباد

□□

سجدۂ آخر

کچھ پیمبرؐ سے کچھ اولادِ پیمبرؐ سے مِلا
جو بھی دُنیا کو ملا ہے وہ اسی در سے مِلا

کس طرح ہوتا ہے انساں پہ صحبت کا اثر
یہ سبق سیرتِ سلماں و ابوذر سے مِلا

نہ حکومت سے نہ طاقت سے نہ لشکر سے مِلا
دینِ خالق کو فروغ آلِ پیمبرؐ سے مِلا

کعبہ کیا ہوتا جو ہوتی نہ علیؑ کی چوکھٹ
ذوقِ سجدوں کا جبینوں کو اسی در سے مِلا

ہم نشیں! جھوٹ ہے وہ دین وہ اسلام فریب
سلسلہ جس کا نہ اولادِ پیمبرؐ سے مِلا

کتنی بے رنگ تھی تاریخِ شریعت پہلے
حسنِ اسلام کو زہراؑ کے گلِ تر سے ملا

فتح افواج کی کثرت پہ نہیں ہے موقوف
یہ سبق جنگ کے میداں میں بہتّر سے ملا

اے دل وجانِ رسالت تری عظمت کے نثار
تیری منزل کا پتہ دوشِ پیمبرؐ سے ملا

اتنا محکم نہیں دُنیا میں کوئی حق کا ثبوت
وقتِ آخر جو ترے سجدۂ داور سے ملا

آیتیں بول اُٹھیں تیرے لہو سے ڈھل کر
درس قرآن کا نیزے پہ تیرے سر سے ملا

رنگ اسلام کے چہرے کا نکھرتا ہی گیا
غازہ وہ خونِ گلوئے علی اصغرؑ سے ملا

صبحِ یثرب سے ملی شامِ حبش آ کے گلے
جَون کا خون بھی خونِ علی اصغرؑ سے ملا

عصمت و عزّت و توقیر کا مفہوم ہے کیا
یہ پتہ حضرتِ زینبؑ کے کھلے سر سے ملا

یوں ہی ہر اک کو پیمبرؐ کا خلیفہ نہ سمجھ
پہلے کردار کو کردارِ پیمبرؐ سے ملا

□□

نیزے ٹوٹیں گے تو شمشیر زنی بھی ہوگی
بُت تراشو گے تو پھر بُت شکنی بھی ہوگی
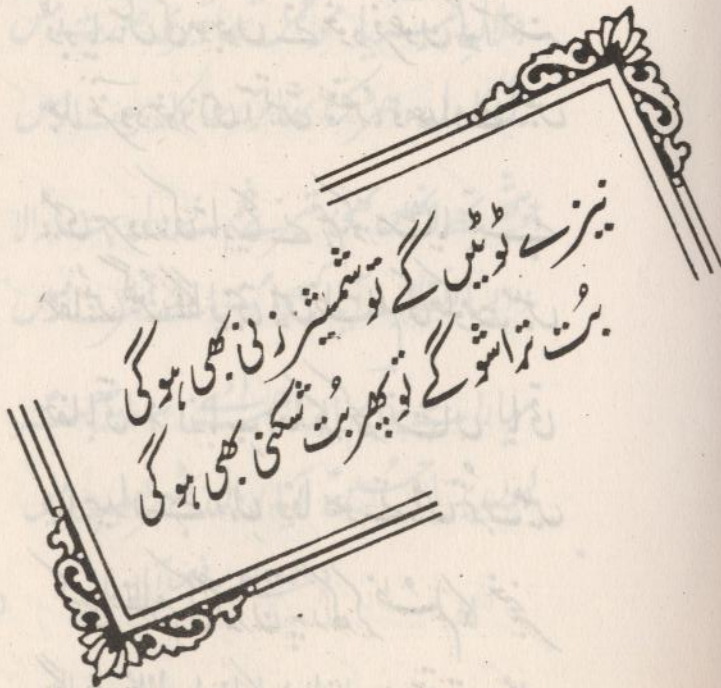
شہیدِ کربلاؑ

ازل سے ہے یہی تحریرِ قانونِ مشیت میں
کہ ظالم دفن ہو جائیں گے خود قعرِ مذلت میں

ڈبویا نیل کی موجوں نے خود فرعون کو آخر
جلا نمرود خود ہی آتشِ بغض و عداوت میں

یہی ہر دور کی تاریخ نے ہم کو بتایا ہے
جفائیں گھن لگا دیتی ہیں ظالم کی حکومت میں

جفا باقی نہ اربابِ جفا کا کچھ نشاں باقی
وفا بیدار ہے اہلِ وفا سوتے ہیں تربت میں

کسی مظلوم کی گردن پہ رکھ کر ظلم کا خنجر
گلا خود ظالم اپنا کاٹ لیتا ہے حقیقت میں

کچھ اتنی ذلتیں بھر دی ہیں تو نے رسمِ بیعت میں
یہ مُردہ پھر کبھی اُٹھا نہ تابوتِ خلافت میں

زمانہ ہو گیا لیکن سنبھلتا ہی نہیں اب تک
ترے قدموں کی وہ ٹھوکر لگی تختِ حکومت میں

تراشیدہ خلافت کی اُڑا کر دھجیاں تو نے
برہنہ کر دیا باطل کو بازارِ سیاست میں

جلالِ کبریا محوِ عمل تھا تیری صورت میں
نبیؐ کا دل دھڑکتا تھا ترے انکارِ بیعت میں

جو پتھر تھے انھیں بھی تیرے غم نے دل بنا ڈالا
نہ ایسا انقلاب آیا کبھی دنیائے فطرت میں

سہارا ہے پیامِ اپنا عزائے سبطِ پیغمبرؐ
لبوں پر یا حسینؑ آیا تو دل ٹھہرا مصیبت میں

(۱۹۶۵ء - فیض آباد)

روحِ انقلاب

جو زیرِ بحث کبھی حرفِ انقلاب آیا
زباں پہ تذکرۂ ابنِ بوترابؑ آیا

رسولِ حقؐ نے صدا دی مرا شباب آیا
کتاب بول اُٹھی صاحبِ کتاب آیا

ہر ایک ملک کی خاطر ہر اک صدی کیلئے
حسینؑ آئے کہ پیغامِ انقلاب آیا

وہی جلال، وہی بانکپن، وہی تیور
نبیؐ کی شان سے فرزندِ بوترابؑ آیا

برہنہ کر دیا سبطِ نبیؐ نے جب باطل
پہن کے چہرے پہ اسلام کی نقاب آیا

اُمیدِ کفر و ضلالت پہ پڑ گیا پانی
لبِ حسینؑ پہ جس دم سوالِ آب آیا

خدا کا نام بھی لیتا نہیں جہاں کوئی
وہاں بھی تذکرۂ ابنِ بوترابؑ آیا

بدن تمام خود اپنے لہو میں ڈوب گیا
مگر نہ رُخ پہ کوئی رنگِ اضطراب آیا

ہر انقلاب ہے آوازِ بازگشتِ حسینؑ
وہ یاد آگیا جب کوئی انقلاب آیا

وہ نامُراد ٹھکانا جسے کہیں نہ ملا
درِ حسینؑ سے آیا تو کامیاب آیا

□□

عزمِ حسینؑ

جلوے یہ صداقت کے، قدریں یہ محبّت کی
اسلام میں جو کچھ ہے خیرات ہے عترت کی

ہے آل کے ہاتھوں میں اسلام کا مستقبل
بیکار ہے ہر سازش، ابنائے سیاست کی

ناکام کوئی سائل کب پلٹتا ہے چوکھٹ سے
کب روک سکے فاقے موجوں کو سخاوت کی

ہر حال میں یہ دُنیا محتاج ہے عترت کی
یہ دُکھتی ہوئی رگ ہے اربابِ حکومت کی

کب صُلح کی منزل ہے کب جنگ کا موقع ہے
حالات کے ہر رُخ پر نظریں ہیں امامت کی

دُنیا یہ سمجھتی ہے زُلفیں ہیں رسالت کی
شبیرؑ کے ہاتھوں میں نبضیں ہیں شریعت کی

جن ہاتھوں کو بوسہ دے اللہ کا پیغمبرؐ
بیعت وہ کریں کیسے اربابِ کدورت کی

اے آبروئے کوثر دشمن ہیں ترے اَبتر
آباد ہوئی تجھ سے آغوشِ رسالت کی

تو وقت کا حیدرؑ ہے تو ضیغمِ داور ہے
کر دی ہے تہِ خنجر تکمیل شجاعت کی

ہے دوشِ پیمبرؐ بھی زینہ تری منزل کا
حد پا نہ سکی دُنیا اب تک تری عظمت کی

اب سجدۂ خالق میں آئیں گی تری یادیں
لکھی ہے ترے خوں نے تاریخ عبادت کی

تلواروں کے سائے میں تسبیح پڑھی تو نے
نوکِ سرِ نیزہ پر قرآں کی تلاوت کی

اَدوارِ سیاست نے ڈالے تھے کئی دھبّے
دھو دی ہے ترے خوں نے تصویر رسالت کی

انکار کی ہیبت نے تاریخ بدل دی ہے
پھر کر نہ سکی دُنیا ہمّت کبھی بیعت کی

شبیرؑ نے کاٹا ہے کٹوا کے گلا اپنا
اسلام کے پیروں میں بیڑی تھی خلافت کی

راہوں میں پیام اپنی اشکوں کا اُجالا ہے
آنسو نہ انھیں سمجھو شمعیں ہیں ہدایت کی

□□

نیزے ٹوٹیں گے تو شمشیر زنی بھی ہوگی
بُت تراشو گے تو پھر بُت شکنی بھی ہوگی

علمدارِ وفا

ہزاروں بار گزُرا ظلمتوں کا قافلہ اب تک
مگر لَو دے رہے ہیں تشنہ لب کے نقشِ پا اب تک

بُجھا دی پیاس تو نے اس طرح عشق و محبّت کی
زمانہ ہو گیا سیراب ہے رُوحِ وفا اب تک

ترا پرچم نہیں ہے اک پناہ گاہِ صداقت ہے
کہ جس کی چھاؤں میں سر سبز ہے دینِ خدا اب تک

حدیں عصمت کی چھُوتی ہے تیرے کردار کی رفعت
نہ آیا ذہنِ انسانی میں تیرا مرتبہ اب تک

جہاں پہونچا دیا تھا تیری ہمّت کی بلندی نے
بڑھی آگے وہاں سے پھر نہ تاریخِ وفا اب تک

شجاعت ناز کرتی ہے ترے ضبطِ شجاعت پر
ترا کردار ہے نوعِ بشر کا معجزہ اب تک

نہ دی ہوتیں اگر اپنے لہو کی سُرخیاں تونے
جہاں سے مٹ گئی ہوتی رہ و رسمِ وفا اب تک

علی کے شیر کے قبضے میں دریا آگیا جب سے
کسی پر پھر نہ کوئی بند پانی کر سکا اب تک

امامت کا عَلَم عبّاسؑ نے اک دن اُٹھایا تھا
امامت خود اٹھائے ہے علم عبّاسؑ کا اب تک

□□

تاجدارِ وفا

طوفان ہٹ رہے ہیں دامن بچا بچا کے
یہ کون رکھ گیا ہے شمعِ وفا جلا کے

حیرت سے دیکھتے ہیں ظلم و ستم کے شعلے
گزرا ہے بجلیوں میں کون آشیاں بنا کے

دستِ ستم سے چھُٹ کر کیوں گر رہے ہیں خنجر
دیکھا ہے سُوئے لشکر کس نے نظر اُٹھا کے

تلوار کانپتی ہے ناوک لرز رہے ہیں!
کس نے پہن لیا ہے دل کو زرہ بنا کے

جلتی ہوئی زمیں سے زمزم اُبل رہے ہیں
پیاسا کوئی اُٹھا ہے اپنا لہو بہا کے

مژدہ کوئی سنا دے امّ البنین کو جا کے
دریا بہا دیئے ہیں عباسؑ نے وفا کے

ہلچل مچی ہوئی ہے لشکر میں اشقیا کے
ایک اور مرتضیٰ ہے اب گھر میں مرتضیٰ کے

ناقہ بنے تھے جس کا محبوب کبریا کے
وہ ناز کر رہا ہے خود تیرا ناز اٹھا کے

آغوش میں ہے ماں کی لیکن سکوں نہیں ہے
بھائی کو ڈھونڈتا ہے نظریں اٹھا اٹھا کے

حیدر کی آرزوئیں انسان بن گئی ہیں
یا مسکرا رہے ہیں ارمان فاطمہؑ کے

□□

شمعِ وفا

طوفاں گزر رہے ہیں دامن بچا بچا کے
یہ کون رکھ گیا ہے شمعِ وفا جلا کے

دستِ ستم سے چھٹ کر کیوں گر رہے ہیں خنجر
دیکھا ہے سوئے لشکر کس نے نظر اٹھا کے

تلوار کانپتی ہے ناوک لرز رہے ہیں
کس نے پہن لیا ہے دل کو زرہ بنا کے

جلتی ہوئی زمیں سے زمزم ابل رہے ہیں
پیاسا کوئی اٹھا ہے اپنا لہو بہا کے

انگڑائیوں نے کس کی محشر اٹھا دیا ہے
ٹکرا رہی ہیں فوجیں کوفے کے در سے جا کے

میلاد باوفا میں تم بھی پیام جا کر
محفل کو کر دو روشن مطلع نیا سُنا کے

ہلچل مچی ہوئی ہے لشکر میں اشقیا کے
اک اور مرتضیٰؑ ہے اب گھر میں مرتضیٰؑ کے

آغوش میں ہے ماں کی لیکن سکوں نہیں ہے
بھائی کو ڈھونڈھتا ہے نظریں اُٹھا اُٹھا کے

ناقہ بنے تھے جس کا محبوبؐ کبریا کے
وہ ناز کر رہا ہے خود تیرے ناز اُٹھا کے

حیدرؑ کی آرزوئیں انسان بن گئی ہیں
یا مسکرا رہے ہیں ارمان فاطمہؑ کے

تیری مثال لاؤں آخر کہاں سے جا کے
اب تک ہے تو اکیلا میدان میں وفا کے

تیری وفا کی قیمت جنّت ہے اور نہ کوثر
پانی بھرا تھا تو نے اپنا لہو بہا کے

تاریخِ کربلا کا عنوان اور ہوتا
قربان تو نہ کرتا گر حوصلے وفا کے

ملتی اگر نہ اس کو تیرے لہو کی سُرخی
تکمیل پا نہ سکتے صبر و رضا کے خاکے

دیوار شق ہوئی تھی تیرے پدر کی خاطر
تیروں میں تو چلا ہے راہِ وفا بنا کے

دربانی و غلامی، سقّائی و اخوت
اللہ کتنے رُخ ہیں عبّاسؑ کی وفا کے

ہم عاصیوں کو حق بھی اس کا دیا نہیں ہے
یہ سوچنا پڑا ہے تیرا علم اُٹھا کے

□□

بنی ہاشم کا چاند

جس کی ہیبت واقعاتِ خندق و خیبر میں ہے
آج وہ رُوحِ شجاعت عبّاس کے پیکر میں ہے

جانے کیوں کثرت کا سودا ظالموں کے سر میں ہے
تو اکیلا ایک لشکر شاہ کے لشکر میں ہے

آدمی محسوس بھی کرلے تو پھٹ جائے دماغ
قوتِ برداشت جو تیرے دلِ مضطر میں ہے

وجہِ اطمینانِ زینبؑ، قوّتِ قلبِ حسینؑ
تیری ہستی اِک سہارا فاطمہؑ کے گھر میں ہے

چل رہی ہے تیغ جیسے کوندتی ہوں بجلیاں
تیرا فیضِ تربیت دستِ علی اکبرؑ میں ہے

تیرے جلووں پر تصدّق اے بنی ہاشم کے چاند
تو نہاں ہے اور تیری چاندنی گھر گھر میں ہے

ایک سقا بھی، سپاہی بھی، علمبردار بھی
تو کئی منصب کا مالک شاہ کے لشکر میں ہے

روند کر دریا پہ پہونچا سطوتِ فوجِ یزید
ہر غرورِ لشکرِ باطل تری ٹھوکر میں ہے

اپنا بیٹا تجھ کو کہتی ہیں جنابِ فاطمہؑ
تو بھی شامل اس طرح اولادِ پیغمبر میں ہے

□□

ثانیِ زہراؑ

تشہیر سہی عزّت و توقیر تو ہے
عصمت کی قدم قدم پہ تنویر تو ہے
زینبؑ ہے کوئی اور نہیں ہے غافل
چادر نہ سہی آیۂ تطہیر تو ہے

سید الشہداءؑ

لہو مہکے گا اُن کا پھول بن کر ریگ زاروں میں
خزاں سے لڑنے والے یاد آئیں گے بہاروں میں

وفا کی بستیاں آباد ہیں اب تک، مگر پہلے
لٹیروں کے سوا کچھ بھی نہ تھا اِن رہگزاروں میں

کرم دشمن پہ کر کے لاج رکھ لی آدمیت کی
قبائے زندگی اُلجھی تھی جب نفرت کے خاروں میں

سُوئے منزل گیا ہے قافلہ اربابِ ہمت کا
بنا کر زندگی کا راستہ خنجر کی دھاروں میں

ہے سناٹا حدیثیں ڈھالنے والے اداروں میں
ہے زندہ ذکرِ اولادِ نبیؐ قرآں کے پاروں میں

ہے تیرا تذکرہ زخمِ دلِ انساں کا اب مرہم
سہارا بن گیا ہے نام تیرا غم کے ماروں میں

حبیبؓ و جونؓ کے حلقے میں ہے اک پیکرِ رحمت
مگر قہرِ الٰہی بن گیا باطل شعاروں میں

اکیلا تھا مگر چھایا ہوا تھا سارے لشکر پر
گھری ہو فوج کیں جیسے ہزاروں ذوالفقاروں میں

حسینؑ ابنِ علیؑ انصار کے حلقے میں تھے یوں ہی
کہ جیسے چودھویں کا چاند روشن ہو ستاروں میں

نشاں بھی شمرِؒ و ابنِ سعدؒ کا ملتا نہیں لیکن
ترے جھنڈے گڑے ہیں شام و کوفہ کے دیاروں میں

طلایہ پھرنے والے اے شبِ عاشور خیموں کا
ترا چرچا رہے گا حشر تک شب زندہ داروں میں

نہ جانے کتنی بڑھ جاتی ہے طاقت قلبِ ملت کی
علم عباسؑ کا اُٹھتا ہے جب ہم بے سہاروں میں

پیام اشکوں کے قطروں کو نہ دیکھو کم نگاہی سے
انھیں ٹانکے گی قدرت عرشِ اعظم کے مناروں میں

کعبۂ شجاعت

بے کار ہر اک حربۂ اربابِ ستم ہے
فتنوں میں کوئی زور نہ افواہوں میں دم ہے

ہم اہلِ وفا زد پہ ہیں کیجے نہ تکلف
ترکش میں اگر اب بھی کوئی تیرِ ستم ہے

پیچھے نہ ہٹے گا رہِ ایماں کا مسافر
کھائے ہوئے عبّاسؑ دلاور کی قسم ہے

اونچا جو زمانے میں صداقت کا علم ہے
عباسؑ ترے دستِ بریدہ کا کرم ہے

کیوں دل نہ کرے روضۂ عبّاسؑ کا سجدہ
"کعبہ ہے شجاعت کا وفاؤں کا حرم ہے"

ہیں راکبِ دوشِ نبویؐ حضرتِ شبیّرؑ
شبیّرؑ کے کاندھے پہ دلاورؑ کا قدم ہے

عصمت کے سوا اور امامت کے علاوہ
عبّاسؑ کی تعریف کریں جتنی بھی کم ہے

باطل کی حمایت میں نہ اُٹھے گا کبھی وہ
جن ہاتھوں میں عبّاسؑ دلاور کا علم ہے

گہوارہ ترا حیدرِ کرّار کی آغوش
تکیہ ترا زانوئے شہنشاہِ اُممؑ ہے

پرچم نہ جُھکا کٹ گئے عبّاسؑ کے بازو
مغرور حکومت کی جبیں شرم سے نم ہے

عبّاسؑ کی ہیبت نے صدا دی سرِ میداں
یہ ربت کی دیوار ہے یا فوجِ ستم ہے

زمزم ہے تری تشنہ لبی اور ترا روضہ
کعبہ ہے شجاعت کا وفاؤں کا حرم ہے

ٹھکرا دو پیام اس کو وہ انساں ہو کہ پتھر
اللہ کا جو راستہ روکے وہ صنم ہے

(سنہ ۱۹۹۰ء علم گردھ)

علمدارِ وفا

خبر نہیں جسے قانونِ کبریا کیا ہے
وہ کیا بتائے گا مفہوم کربلا کیا ہے

جو اُٹھ سکے نہ شریعت کی برتری کے لئے
اُسے حسینؑ کی اُلفت سے واسطہ کیا ہے

عمل سے دُور محبّت کے دعویداروں کا
سمجھ میں کچھ نہیں آتا مطالبہ کیا ہے

علَم ہے ہاتھوں میں عباسؑ کا تو غم کیسا؟
قدم بڑھا رہِ ہستی میں سوچتا کیا ہے

ہوائے پرچمِ عباسؑ کے سوا غافل
جہاں میں آج کے انسان کی دوا کیا ہے

یہ سوچتا ہے کہ شبیرؑ کی رضا کیا ہے
وگرنہ لشکرِ کُفّار میں دھرا کیا ہے

سمندروں سے زیادہ لہو میں جوشِ وغا
سکون وصبر کے آگے ہمالیہ کیا ہے

لبِ فرات جفاؤں کی سانس ٹوٹ گئی
علیؑ کے لال وفاؤں کی انتہا کیا ہے

چمک یہ پنجے کی کہتی ہے اہلِ دُنیا سے
میری زکاۃ ہے خورشید کی ضیا کیا ہے

علاوہ تیرے بھتیجے کے سارے عالم میں
بنا سکا نہ کوئی موت کا مزا کیا ہے

جبینِ حضرتِ عباسؑ کی شکن کے سوا
جلالِ حق غضبِ شیرِ کبریا کیا ہے

وہ سوزِ تشنہ لبی تھا کہ جل گیا دریا
یہ آبلہ ہی تو ہے ورنہ بُلبُلا کیا ہے

برس رہا ہے وہ پانی جو تو نے پھینکا تھا
فلک پہ ورنہ یہ برسات کی گھٹا کیا ہے
نگاہِ عدل میں زہراؑ کی مامتا کے سوا
وفائے حضرتِ عباسؑ کا صلہ کیا ہے

□□

قطعہ

بے حس ہیں جو دل آنکھ کو پرنم نہ کرو
اے بے عملو! تذکرۂ غم نہ کرو
جن ہاتھوں سے بھائی کو سہارا نہ ملے
اُن ہاتھوں سے عباسؑ کا ماتم نہ کرو

زینبؑ و عباسؑ

متاعِ حق و صداقت ہیں زینبؑ و عباسؑ
ہر اک صدی کی ضرورت ہیں زینبؑ و عباسؑ

اُدھر علم کا پھریرا اِدھر ردائے بتولؑ
امینِ سایۂ رحمت ہیں زینبؑ و عباسؑ

شریکِ کارِ رسالت تھے حیدرؑ و زہراؑ
شریکِ کارِ امامت ہیں زینبؑ و عباسؑ

لبِ فرات ہے ایک اور دیارِ شام میں ایک
جوابِ طالبِ بیعت ہیں زینبؑ و عباسؑ

دلِ علیؑ کی تمنّا دلِ نبیؑ کا سکوں
دلِ بتولؑ کی قوّت ہیں زینبؑ و عباسؑ

نہ اس کے ہونٹ ہلے اور نہ اس کی تیغ اُٹھی
کہ صبر و ضبط کی آیت ہیں زینبؑ و عباسؑ

دیا ہے دونوں نے پہرا بتولؑ کے گھر کا
حصارِ خانۂ عصمت ہیں زینبؑ و عباسؑ

پیامِ ذکر ہے دونوں کا جانِ شعر و سخن
میرے قلم کی ضرورت ہیں زینبؑ و عباسؑ

(سنہ ۱۹۸۵ء ۔ سیتاپور)

□□

ثانیِ زہراؑ

یوں زمانے میں کوئی صاحبِ منصب نہ ہوا
یعنی ہم رتبۂ بنتِ اسدِ رب نہ ہوا

بعدِ زہراؑ تو ہوئیں ثانیِ زہرا زینبؑ
بعدِ زینبؑ کوئی پھر ثانیِ زینبؑ نہ ہوا

زینبِ کبریٰؑ

شورِ الاماں کا اُٹھا کوفے کی گلی سے
حملہ کیا جو تو نے شمشیرِ بے کسی سے

قوّت اگر نہ ملتی زینبؑ کی زندگی سے
بارِ حیات ہرگز اُٹھتا نہ آدمی سے

زینبؑ نے یہ بتایا ڈرنا نہ تیرگی سے
مٹ جائیں گے اندھیرے ٹکرا کے روشنی سے

تو یوں بچھا گئی ہے بھائی کا فرشِ ماتم
جس کو سمیٹ دینا ممکن نہیں کسی سے

جس دن کہ جان دی ہے بچوں نے تیرے ہنس کر
اس دن سے ڈر گئی ہے خود موت زندگی سے

دُنیا سے تونے آخر یہ رسم ہی مٹا دی
اب مانگتا نہیں ہے بیعت کوئی کسی سے

طوفان سے نچوڑا تو نے سکونِ ساحل
ڈھالے ہیں تو نے سورج زنداں کی تیرگی سے

بی بی تیرا کرم ہے ہر ماں پہ ہر بہن پر
اب چھینتا نہیں ہے چادر کوئی کسی سے

صدیاں ہوئیں پڑا تھا زینبؑ پہ تازیانہ
اُٹھتا ہے شورِ ماتم اب تک گلی گلی سے

معصوم ہی سے پوچھو معصومیت کہاں ہے
خود مشورے لیے ہیں سجّادؑ نے پھوپھی سے

بھائی سے بھی زیادہ بچّوں سے بھی زیادہ
زینبؑ کو تھی محبّت مقصد کی زندگی سے

آلِ نبیؐ کے غم سے خالی ہو جس کا دامن
نسبت پیام مجھ کو کیا ایسی شاعری سے

حضرتِ زینبؑ

زندگی کی بھیک جو پالے درِ شبّیرؑ سے
قتل ہو سکتا نہیں وہ خنجر و شمشیر سے

خود اُٹھا کر پھینک دیں گے صبر کے دھارے اُسے
جو بھی ٹکرائے گا سیلابِ غمِ شبّیرؑ سے

روشنی میں آ کے خود ہی کھو دیا اپنا وجود
ظلمتوں کو اور کیا ملتا بھلا تنویر سے

سر چھپائے گی کہاں جا کر بھلا فکرِ یزیدؒ
کوئی دل خالی نہیں ہے اُلفتِ شبّیرؑ سے

کربلا نے بخش دی دُنیا کو رُوحِ انقلاب
بے خبر تھی ورنہ دُنیا درد کی تاثیر سے

فاطمہؑ کے لال سے لو حق پہ مرنے کا سبق
اور درسِ زندگی لو زینبؑ دل گیر سے

بُغض تھا جن کے دلوں میں آیۂ تطہیر سے
لُوٹنے آئے ہیں چادر زینبِؑ دل گیر سے

رُوحِ ظالم کیسے نکلے حلقۂ زنجیر سے
راستے ہیں بند، اے زینبؑ تیری تقریر سے

سر پہ نانا کی جلالت، رُخ پہ ماں کا دبدبہ
کون چھینے گا یہ چادر زینبِؑ دلگیر سے

خوف کھا سکتی نہیں وہ لشکرِ بے پیر سے
پرورش جس کی ہوئی ہے فاطمہؑ کے شیر سے

سانس لی ہے دامنِ خیرالوریٰ کی چھاؤں میں
بولنا سیکھا ہے جس نے شاہِ خیبر گیر سے

بے سبب آتی نہیں کردار میں معصومیت
لوریاں زہراؑ نے دی ہیں آیۂ تطہیر سے

دشت میں بیٹوں کی میت سے یہ کہکر ہٹ گئی
مامتا ٹکرا نہ جائے مقصدِ شبیرؑ سے

کربلا کیا ہے پیام اس کے سوا خود ظلم نے
خودکشی کرلی ہے بیعت مانگ کر شبیرؑ سے

□□

قطعہ

امانت دارِ آیاتِ جلی کہنا ہی پڑتا ہے
پیمبرؐ کا وصی حق کا ولی کہنا ہی پڑتا ہے

بجا ہے آپ کا ارشاد لیکن حضرتِ واعظ
جو لگ جاتی ہے ٹھوکر یا علی کہنا ہی پڑتا ہے

صدائے جرس

محفل میں ظلم و جور کی اک انقلاب ہے
زنجیر کی صدا جرسِ انقلاب ہے

زخموں سے چھن رہی ہے صداقت کی روشنی
ہر ہر سناں کی نوک پہ اک آفتاب ہے

زینبؑ اسیر ہو کے چلی ہے سوئے دمشق
یا حلقۂ رسن میں دلِ بوتراب ہے

بیعت کے طالبوں سے کہو اب کریں سوال
زینبؑ نہیں ہے سبطِ نبیؐ کا جواب ہے

سر سے ردا چھنی، نہ گئی عصمتوں کی شان
تا عصر تھی بتولؑ، اور اب بوترابؑ ہے

کوفے میں جا کے شانِ خطابت تو دیکھئے
اک ایک لفظ اپنی جگہ پر کتاب ہے

صدیاں ہوئیں چھنی تھی تیرے سر سے جب ردا
اب تک سیاستِ اموی بے نقاب ہے

بس اس لیے ہمیں ہے محبت پیام سے
مداحِ اہلبیتؑ رسالت مآبؐ ہے

□□

قطعہ

سرمایۂ کردار و عمل جل گیا ہوتا
عاشور کو بنتِ اسدِ رب نے بچایا

اسلام بچا سیدِ سجادؑ کے دم سے
اور سید سجاد کو زینبؑ نے بچایا

فضّہ

پھر عزم ترا قوم کو درکار ہے فضّہ
ہر موڑ پہ اک شام کا بازار ہے فضّہ

آزادیٔ نسواں کا جو یہ شور ہے ہر سو
یہ بھی تیری زنجیر کی جھنکار ہے فضّہ

دربار میں اے قوم کو للکارنے والی
حق پھر اسی جرأت کا طلبگار ہے فضّہ

ہے کون جو یوں غیرتِ انساں کو جگائے
شل ہاتھ ہیں ٹوٹی ہوئی تلوار ہے فضّہ

لوٹ آیا ہے شاید وہی دورِ امویت
انعامِ ولا پھر رسن و دار ہے فضّہ

دُنیا سرِ نسواں سے رِدا چھین رہی ہے
ناموسِ حیا پھر سرِ بازار ہے فضّہ

کیا غم ہے زمانہ جو ستمگار ہے فضّہ
موضوعِ سخن جب تیرا کردار ہے فضّہ

درباروں میں بھی شاہوں کے جھکتا نہیں مومن
گر یاد تیری جرأتِ اظہار ہے فضّہ

دامن پہ نہ پاؤ گے گناہوں کی کوئی چھینٹ
زہراؑ نے جو ڈھالا ہے وہ کردار ہے فضّہ

فضّہ نے بھی کی دعوتِ پیغمبرؐ اسلام
مانا کہ پیمبرؐ کی نمک خوار ہے فضّہ

کی زینبؑ و کلثومؑ کی دربار میں نصرت
اک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے فضّہ

زینبؑ کو سنبھالا کبھی شبیرؑ کو روئی
لونڈی کا نہیں ماں کا یہ کردار ہے فضّہ

مدّاح کو دِلوادے جگہ باغِ جناں میں
شہزادہ ترا خلد کا سردار ہے فضّہ

(ستمبر ۱۹۷۹ء - الہ آباد)

امامت کی چوتھی منزل

جب جب بھی ہوئی لشکرِ باطل کی چڑھائی
اسلام نے دی آلِ پیمبرؐ کی دُہائی

ہو جنگ کا میدان کہ ہو صلح کی منزل
ہر رنگ میں ہم رنگیِ سیرت نظر آئی

ہر دور میں بڑھتی رہی اسلام کی دولت
ہر عہد میں لٹتی رہی زہراؑ کی کمائی

نیزے پہ بھی مصروفِ تلاوت ہے سرِ شاہ
ممکن نہیں قرآن سے عترت کی جدائی

عابدؑ ہیں مگر موت کی منزل پہ بھی زندہ
پھر جراُتِ شبیرؑ کی ہے جلوہ نمائی

اللہ رے مضبوط ارادوں کی بلندی
خود طوق و سلاسل بھی لگے دینے دُہائی

زنجیر پنہانے پہ ہیں مجبور ستمگار
یوں ہیبتِ بیمار لعینوں پہ ہے چھائی

شبیرؑ کا پیغام نہ بڑھتا کبھی آگے
کی ہوتی نہ عابدؑ نے اگر راہ نمائی

زینبؑ کے کھلے بالوں نے سایہ کیا حق پر
عابدؑ کے بندھے ہاتھوں نے کی عقدہ کشائی

ڈوبی ہوئی قرآں کی بلاغت میں وہ دیکھو
زنجیر کی جھنکار کی آواز بھی آئی

ہر سانس سے شبیرؑ کا پیغام ہے جاری
ہر گام پہ اسلام کی ہے جلوہ نمائی

خونِ شہِ مظلومؑ کی ہر وقت حفاظت
بازاروں سے جاتے ہوئے وہ خطبہ سرائی

قوت ترے ہاتھوں میں یداللہ کی پنہاں
اور اس پہ ہے رسّی سے بندھی تیری کلائی

فاتحِ شام

دیا زمانے کو میں نے ہی جذبۂ تدبیر
میرے عمل نے بنایا ہے خاک کو اکسیر

میرا ہر اک نفس کامیاب ہستی ہے
میرا ہر اک قدم منزلوں کی ہے تعمیر

میری نگاہ ہے رازِ حیات سے واقف
میرے خیال سے ہوتی ہے زیست کی تفسیر

یہ حادثات زمانہ کریں گے کیا میرا
کہ میں بناتا ہوں خود حادثات کی تقدیر

انھیں ہے ناز کہ کثرت میں ہے مقام ان کا
مجھے ہے فخر کہ ملّت مری ہے عالم گیر

میں بوترابی ہوں رونق زمیں کی ہے مجھ سے
ہر ایک دور کی کرتا رہا ہوں میں تعمیر

یہی حسینؑ کا غم اور یہی حسینؑ کا عشق
جہادِ زیست میں میری سپر مری شمشیر

مری مثال زمانہ نہ لا سکا اب تک
مگر ہے یہ بھی حقیقت کہ آج ہوں میں حقیر

ہے سچ کہ آج بھٹکتا ہے کارواں اپنا
ہے ٹھیک اپنے ہی گردِ سفر کا ہوں میں اسیر

دُرست! اپنا گلستاں خزاں نصیب ہے آج
ہے سچ کہ پھُول بھی اپنے ہیں خار کی تصویر

نہ علم و فن ہے نہ شعر و ادب کا ذوق بلند
نہ اب انیسؔ ہے ہم میں کوئی نہ کوئی دبیرؔ

معاشیات سے مطلب نہ کچھ سیاست سے
گھروں میں بیٹھ کے کرتے ہیں شکوۂ تقدیر

مگر میں خوش ہوں کہ موجود ہے مری دَولت
کہ میرے سینے میں بیدار ہے غمِ شبّیر

میری نگاہ میں کرب و بلا کی منزل ہے
جہاں پہ نوعِ بشر کی بدل گئی تقدیر

جہاں پہ دَولت و طاقت کا مٹ گیا تھا بھرم
جہاں پہ ہوگئے بے کار خنجر و شمشیر

مسیح سارے زمانے کا ہے جہاں کا مریض
بنائے حرّیتِ فکر ہے جہاں کا اسیر

اسیرِ کرب و بلا یعنی سیّدِ سجّادؑ
سیاستِ اموی جس کی ٹھوکروں میں حقیر

ہر اک قدم پہ زمانے کو فتح کرتا ہے
اسیر ہو کے بھی شبیرِ خدا کی ہے تصویر

صدائے طوق و سلاسل سے جاگ اُٹھے ہیں ضمیر
دل و نگاہ کو آزاد کر رہا ہے اسیر

کوئی امام کبھی قید ہو نہیں سکتا
رسن گلے میں بندھے یا کہ پاؤں میں زنجیر

ڈھل رہی ہے حکومت لرز رہا ہے یزید
اُٹھائے بارِ امامت وہ آ رہا ہے اسیر

حسینؑ زندہ ہے اب بھی بصورتِ عابدؑ
یزید دیکھ لے اپنی شکست کی تصویر

وہ دیکھ کرتا ہے منبر پہ فتح کا اعلان
بزعمِ خود جسے ظالم سمجھ رہا تھا اسیر

(سنہ ۱۹۵۶ء۔ اعظم گڑھ)

□□

ظالموں کا غُرور توڑیں گے
مَوت سے زندگی نچوڑیں گے

بیمارِ کربلا

دولت لیے ہوئے نہ حکومت لیے ہوئے
آلِ عباؑ تھے دین کی عظمت لیے ہوئے

نفرت پرستیوں میں محبّت کی روشنی
شعلوں میں رُوحِ گلشنِ جنّت لیے ہوئے

کاندھوں پہ بیلچہ ہو کہ فاقوں کی زندگی
ہر حال میں جمالِ سیادت لیے ہوئے

دُنیا خلاف اِن کے، یہ دُنیا کے واسطے
ہر ہر قدم پہ جذبۂ خدمت لیے ہوئے

باطل کی پُر فریب سیاست کے سامنے
کردار کی کھُلی ہوئی آیت لیے ہوئے

کتنا بڑا ثبوت ہے اِن کے حقوق کا
دُنیا خود آئی تختِ خلافت لیے ہوئے

لیکن نہ پُوچھ گردشِ تقدیرِ دینِ حق
تاریخ خود ہے تلخ حقیقت لیے ہوئے

ہر لفظ ایک داغ ہے دامن پہ قوم کے
اور ہر ورق ہے منظرِ عبرت لیے ہوئے

دولت سے کھیلتی ہوئی وہ رُوحِ سلطنت
ہاتھوں میں تھی زمامِ خلافت لیے ہوئے

کیا کیا ستم نہ ہو گئے آلِ رسُولؐ پر
قرآں خموش تھا غمِ عترت لیے ہوئے

لیکن اٹھی نگاہِ مشیت تھی مطمئن
اک اک کا امتحانِ صداقت لیے ہوئے

ٹھہری ہوئی تھی دیر سے سبطِ رسُول پر
ہاتھوں میں اپنے تاجِ شہادت لیے ہوئے

کرب و بلا میں ہو گیا آخر یہ فیصلہ !
کب تک رہے گا دین یہ بدعت لیے ہوئے

باطل کے ساتھ رہ کے خلافت بھی مٹ گئی
حق رہ گیا وجودِ امامت لیے ہوئے

سویا علیؑ کا لال جو جلتی زمین پر
اُٹھا پسرِ غرورِ شہادت لیے ہوئے

ڈوبا اک آفتاب تو اُبھرا اک آفتاب
صبحِ نویدِ فتحِ صداقت لیے ہوئے

اپنی جبیں پہ خونِ پدر سے لکھا ہوا
اسلام کا نوشتۂ قسمت لیے ہوئے

جس طرح کوئی پھول خزاؤں کی گود میں
اُجڑے ہوئے چمن کی بضاعت لیے ہوئے

ہارے ہوئے نظام کا قیدی بنا ہوا
آزادیٔ ضمیر کی دولت لیے ہوئے

باطل کی آندھیوں کا بدلتا ہوا مزاج
دامن میں اپنے شمعِ حقیقت لیے ہوئے

جو سلسلہ بہ سلسلہ ہم کو ملی ہے آج
اس دردِ لازوال کی دولت لیے ہوئے

خنجر کی دھار ہو کہ سیاست کی سازشیں
ٹھوکر میں ہر غرورِ حکومت لیے ہوئے

سُنتا رہا حسینؑ کی آوازِ الغیاث
تڑپا کیا جہاد کی حسرت لیے ہوئے

لیکن خود اپنی جان بچاتا چلا گیا
جیسے کوئی عظیم امانت لیے ہوئے

جو مر چکے تھے دینِ الٰہی کی راہ میں
ان کی بھی زندگی کی ضمانت لیے ہوئے

صلحِ حسنؑ، سکوتِ علیؑ، جراتِ حسینؑ
ہر احتجاجِ حق کی روایت لیے ہوئے

ہر ہر قدم گواہِ نبوّت بنا ہوا
ہر ہر نفس دلیلِ امامت لیے ہوئے

اُجڑے ہوئے وطن کو چلا چھُٹ کے قید سے
بیعت کے طالبوں سے بھی بیعت لیے ہوئے

تسکین ہو سکی ہے نہ لفظیں ملیں پیام
آیا تھا میں بھی جذبۂ مدحت لیے ہوئے

□□

قطعہ

حیاتِ تشنہ دہن سے ایاغ لے کے چلو
کہاں ہے منزلِ ایماں سُراغ لے کے چلو
غمِ حسینؑ کے آنسو سجاؤ پلکوں پر
اندھیری رات ہے یارو چراغ لے کے چلو

مدحِ سیّد سجّادؑ

نام جن کا سرِ فہرست تھا غدّاروں میں
سب سے آگے نظر آتے ہیں رضا کاروں میں

صرف اس جرم پہ کچھ لوگ خفا ہیں ہم سے
سر جھُکانا ہمیں آتا نہیں درباروں میں

ان چراغوں کی طرح سے ہیں، جو روشن نہ ہوئے
وہ عقیدے جو جھلکتے نہیں کرداروں میں

جا کے مسجد میں یہ اندازہ لگا لیتا ہوں
کتنے بہروپئے شاملِ تھے عزاداروں میں

چھُپ نہیں سکتا کہیں ان کے غلاموں کا لہو
آگ لگ جاتی ہے اڑتے ہوئے طیاروں میں

کون ہے تجھ سا زمیندار زمینداروں میں
چرخ والے بھی نظر آتے ہیں بیگاروں میں

روٹیاں مانگنے آتے ہیں تری چوکھٹ پر
ہیں فرشتے بھی ترے در کے نمک خواروں میں

ہے صلہ یہ تیری چوکھٹ پہ جبیں سائی کا
چاند کی طرح سے دھبّہ جو نہیں تاروں میں

وہ اثر تھا تیری زنجیر کی جھنکاروں میں
زلزلے آنے لگے شام کے بازاروں میں

یہ ترے صبر کی ہیبت ہے کہ صدیاں گزریں
اب بھی سنّاٹا ہے بیعت کے طلبگاروں میں

دلِ دشمن پہ ہوا تیری دعاؤں کا اثر
کھِل گئے پھول دہکتے ہوئے انگاروں میں

مدحِ سجّادؑ میں سن لیجیئے اشعارِ پیام
اک فرزدق ہے وہ اس دور کے فنکاروں میں

سیّد سجّادؑ

ایثار و محبّت کا صلہ اور ہی کچھ ہے
اس دور میں جینے کا مزا اور ہی کچھ ہے

باقی نہیں الفاظ و معانی میں کوئی ربط
سمجھے ہیں وہ کچھ، ہم نے کہا اور ہی کچھ ہے

تاریخ کا منظر تو نظر آتا ہے کچھ اور
قرآن کو دیکھا تو لکھا اور ہی کچھ ہے

یوں شور مچانے سے تو کچھ بھی نہیں حاصل
جو دل کو جگا دے وہ صدا اور ہی کچھ ہے

ڈرتا ہوں کہیں بیچ نہ دیں حرمتِ کعبہ
اربابِ سیاست کا خدا اور ہی کچھ ہے

یہ چارہ گری موت کا پیغام نہ بن جائے
اے دردِ جگر تیری دوا اور ہی کچھ ہے

ممکن نہیں چھن جائے جو نانا کی جلالت
غافل! سرِ زینبؑ کی ردا اور ہی کچھ ہے

مانا کہ فلک پر ہیں مہ و مہر بھی روشن
لیکن ترا نقشِ کفِ پا اور ہی کچھ ہے

دے سنگِ حرم جس کی امامت پہ گواہی
اس ذات کی عظمت بخدا اور ہی کچھ ہے

خاکِ درِ محبوبِ خدا بھی ہے بڑی چیز
لیکن اثرِ خاکِ شفا اور ہی کچھ ہے

دلوا کے اذاں پھنس گیا خود شام کا حاکم
سمجھا تھا کہ یہ ہوگا، ہوا اور ہی کچھ ہے

ہلچل ہے سیاست کدۂ ظلم و جفا میں
سجادؑ کا اندازِ دعا اور ہی کچھ ہے

مہماں جسے سمجھا تھا ترے ہاتھ کا دھووَن
جب طشت میں دیکھا تو گرا اور ہی کچھ ہے

جس راہ میں موت آ کے بنے شہد سے شیریں
اُس راہ میں جینے کا مزا اور ہی کچھ ہے

ہوتا نہیں جو خنجر و شمشیر کا محتاج
اس مردِ مجاہد کی وغا اور ہی کچھ ہے

□□

ایک شعر

پیچیدہ مسائل میں یاد آتے ہیں بس حیدرؑ
قدموں پہ جبیں خم ہے مغرورِ حکومت کی

سِلسلۂ ہدایت

سبق دیا ہے جس نے زندگی کے احترام کا
حیات کلمہ پڑھ رہی ہے آج اسی کے نام کا

گلا کٹا کے جس نے دی تھی آبرو حیات کو
خراج لے رہا ہے آج تک وہ صبح شام کا

چمک رہا ہے اسکے سر پہ اَب بھی تاجِ لافتیٰ
رَواں ہے بحرِ بے کنار اس کے فیضِ عام کا

نہ تخت کی ہے آبرو نہ تاج کا وقار ہے
بدل دیا ہے جس نے رُخ نگاہِ خاص و عام کا

وہ جس کی پاک زندگی نے محفلِ حیات میں
بڑھا دیا تھا مرتبہ کنیز اور غلام کا

دلیل ہے جو دینِ مصطفےٰؐ کے اعتبار پہ
گواہ ہے جو انبیاء علیہم السّلام کا

سجا ہے بادہ خانۂ حیات جس کے نام پہ
کہ دَور چل رہا ہے اب بھی معرفت کے جام کا

نبیؐ کے گھر کی روشنی خدا کے گھر کی زندگی
ہدف ہے جس کی ذات حق کی نعمتِ تمام کا

کلام کبریا کا ناطقہ ہے جس کی زندگی
جو آئینہ ہے سیرتِ پیمبرؐ انام کا

جو دو جہاں پہ چھا گیا ہے بن کے رحمتِ خدا
اسی کو حق ہے دہر میں درُود اور سلام کا

کہیں علیؑ کی تیغ ہے کہیں حسنؑ کی صلح ہے
کہیں متاعِ زندگی لہو ہے تشنہ کام کا

کہیں کوئی اسیر چل رہا ہے نوکِ خار پر
دکھا رہا ہے راستہ مگر رفاہِ عام کا

قدم قدم ہے معجزہ حقیقتِ دوام کا
وہ کربلا کی راہ ہو کہ راستہ ہو شام کا

رہِ رضا کی صابرہ وہ پوچھتی ہے مسئلہ
عجیب اہتمام ہے تعارفِ امام کا

حروف پھول بن گئے تو لفظ ضو فشاں ہوئے
اُٹھا جو تیری مدح میں کبھی قلم پیام کا

□□

قطعہ

کس قدر مظلوم ہیں ہم مدح خوانِ اہلبیتؑ
سب نے الزامِ دلآزاری ہمیں پر دھر دیا
اس قدر حس بڑھ گئی ہے اِن دنوں احباب کی
چھینک بھی آئے تو سمجھیں گے تبرّا کر دیا

باقرؑ علمِ نبیؐ

جہل کی دیدہ وری وادیٔ ظلمت کا سفر
علم کی بے خبری بھی ہے حقیقت میں خبر

علم ہے حضرتِ آدمؑ کی خلافت کا جواز
علم ہی نوحؑ کی کشتی کا بنا تھا لنگر

ذبحِ فرزند پہ راضی ہے دلِ ابراہیمؑ
علم رکھ دیتا ہے پہلو میں پہاڑوں کا جگر

جہل ڈرتا ہے پہاڑوں میں ہو یا غاروں میں
علم کو چین کی نیند آتی ہے زیرِ خنجر

جہل میداں میں علم چھوڑ کے لوٹ آتا ہے
علم اُنگلی پہ اُٹھا لیتا ہے بابِ خیبر

علم مفلوج دماغوں کی قلابازی ہے
آدمی ذاتِ الٰہی سے ہٹالے جو نظر

ڈگریاں لے کے بھی وہ جہلِ مرکّب ہی رہا
جس کو کالج تو ملا اور نہ ملا علم کا در

بھول سکتی نہیں تاریخ کبھی وہ منظر
علم کے شہر میں جس وقت کھلا پانچواں در

ہر طرف جہل و ضلالت کا فسوں طاری تھا
اہلِ بدعت کے تسلّط میں تھا اللہ کا گھر

کرتی تھی اہلِ صداقت سے مبارز طلبی
جاہلیّت جو رہی تھی ہدفِ فکر و نظر

لوٹ آئی تھی خلافت کی گذرگاہوں سے
کرچکے تھے جسے محبوبِ خدا شہر بدر

آندھیاں جہل کی چلتی تھیں رہِ ہستی میں
دھول سڑکوں کی چلی آئی تھی گھر کے اندر

پھیلا تھا ساری فضاؤں میں جہالت کا غبار
بند آنکھیں کیے بیٹھے تھے تمام اہلِ نظر

اُف وہ جھونکے، وہ تھپیڑے، وہ ہوائیں، وہ سَموم
منتشر ہونے کو تھا علم کا سارا دفتر

اُٹھ کے یوں تو نے سنبھالا مرے مولا جیسے
کوئی اُڑتے ہوئے اوراق پہ رکھ دے پتھر

وادیِ کرب و بلا سے ترا بچپن گزرا
نقشِ پا چھوڑ کے تاریخ کی پیشانی پر

اشکِ سجّادؑ سے دُھلتا رہا چہرہ تیرا
غم کی شبنم میں کھلا علم و عمل کا گلِ تر

تیرا دادا بھی امام اور تیرا نانا بھی امام
اس فضیلت میں نہیں ہے کوئی تیرا ہمسر

اس لیے دل میں اُتر جاتے ہیں اشعارِ پیام
ہے ترے مدرسۂ علم کا کچھ اس میں اثر

امام ہفتم ؑ

موسیٰ کاظم ؑ زمانے کے امام
ہیں نبیؐ کے ساتویں قائم مقام

ہے بلند اتنی زمینِ کاظمین
کرتا ہے جس کو فلک جھک کر سلام

یوں گزاری قید خانے میں حیات
صبحِ ایماں بن گئی زنداں کی شام

آ کے ٹکرایا جو اِن کے صبر سے
ہوگیا بے کار باطل کا نظام

قید خانے کی عبادت ہے گواہ
مل گیا حق کی نمازوں کو دوام

ہوگیا مجبور خود ہارون رشید
کر رہے تھے آپ دینِ حق کا کام

اِن کا روضہ ہے زمانے کیلئے
آج بھی آماجگاہِ خاص و عام

اُس کے در پر ساکنانِ عرش بھی
حاضری دیتے ہیں آکر صبح و شام

جس کے قبضے میں تھی تیغِ حیدری
جس کے ہونٹوں پر پیمبر کا کلام

معجزہ ہے صبر و استقلال کا
قید میں رہ کر دیا حق کا پیام

ان بندھے ہاتھوں پہ صدقے کائنات
جن سے ٹوٹا سہل باطل کا نظام

زندگی کی راہ میں میرے لئے
مدحتِ کاظم سہارا ہے پیام

مدحِ تقیؑ

ٹکڑے کیے نبیؐ نے جو ماہِ تمام کے
سُورج ابھار لائے ہیں سجدے امامؑ کے

دونوں ہی کائنات میں روزِ الست سے
ہیں ذمہ دار سلسلۂ صبح و شام کے

دونوں ہی ایک نُور کے ٹکڑے ہیں دہر میں
دونوں ہی مستحق ہیں دُرود و سلام کے

یکساں رہا علیؑ و محمدؐ کا لفظ بھی
معصوم چار چار ہیں ایک ایک نام کے

لائے ہیں وہ کتاب یہ ہیں ناشرِ کتاب
یعنی یہ دو سِرے ہیں الٰہی نظام کے

مانا ہے عرشِ پاک پہ پائے رسُولِ حق
دوشِ رسُولِ حق پہ قدم ہیں امام کے

جنّت کے وہ زعیم تو کوثر کے یہ قسیم
چُھوٹیں نہ دوستو! یہ وسیلے ہیں کام کے

مانا کہ ہیں امام اگر پیروِ رسُول
ماموم اک رسُول بنیں گے امام کے

اے بے خبر یہ کس سے بغاوت کا ہے خیال
کام آئے گی نماز نہ روزے صیام کے

اس سلسلے میں فرقِ مراتب نہ ڈھونڈیے
"یکساں ہیں کل صفاتِ نبیؐ و امامؑ کے"

آئے وہ جانشینِ رسُولِ انام کے
بیٹے ہیں جو رضائے علیہ السّلام کے

جو آٹھویں ہیں تختِ دلِ بنتِ مصطفٰےؐ
اور جو چھٹے پسر ہیں شہِ تشنہ کام کے

دربار میں بُلائے گئے ایک دن حضورؑ
ساغر چھلک رہے تھے مئے لالہ فام کے

ہیبت سے چُور ہوگیا پیالہ شراب کا
ٹکڑے پڑے تھے تختِ خلافت پہ جام کے

ظالم تو چاہتے تھے کہ کھاجائے ان کو شیر
بوسے لیے درندوں نے پائے امام کے

روکا سِتم گروں نے بہت راستہ مگر
اسلام چل پڑا تری انگلی کو تھام کے

مولا کی بارگاہ میں جو ہو گئے قبول
آیات بن گئے ہیں وہ مصرعے پیام کے

□□

نویں منزل

جب نویں منزل پہ پہونچا کاروانِ انقلاب
ذرّہ ذرّہ بن گیا نورِ تقیؑ سے آفتاب

دل میں صبرِ فاطمہؑ ہونٹوں پہ انکارِ حسینؑ
سر پہ عمّامہ نبیؐ کا بَر میں تیغِ بُوترابؑ

اہلِ دُنیا کے نمائندوں سے کیا نسبت اُسے
خود کیا ہے خالقِ اکبر نے جسکا انتخاب

کِشتِ ایماں پر برستا ہی رہا ابرِ کرم
یوں مصلّے سے اُٹھا اِن کی دُعاؤں کا سحاب

کرتی ہیں مدحِ تقیؑ خود آیتیں قرآن کی
کوئی کرسکتا نہیں اِن کے فضائل کا حساب

دی ہے یوں خاموش رہ کر اہلِ باطل کو شکست
آج تک سارے ستم گر کھا رہے ہیں پیچ و تاب

محوِ حیرت رہ گئے دعویٰ تھا جن کو علم کا
دے نہ پایا کوئی بھی ان کے سوالوں کا جواب

جب بھرے دربار میں اُٹھی امامت کی صدا
گر گئے ہاتھوں سے ساغر چپ ہوئے چنگ و رباب

کس قدر بیدار مدّاحوں کی قسمت ہے پیامؔ
جب ہوئی مدحت نقی کی کھل گیا جنّت کا باب

□□

قطعہ

نقطۂ آخرِ حدِّ بشریّت تو ہے
دہر میں عظمتِ انساں کی علامت تو ہے

تیرے آنے سے ملی نوعِ بشر کو عزّت
پیکرِ خاک کی جاگی ہوئی قسمت تو ہے

دسویں منزل

ہے علیؑ نام تو کردار پیمبرؐ کی طرح
ہے سب اندازِ نقیؑ فاتحِ خیبر کی طرح

مثلِ شبیّرؑ ہے انکار انھیں بیعت سے
ہے علم ہاتھ میں عبّاسِؑ دلاور کی طرح

پاؤں رکھ دے جو دل و جانِ پیمبرؐ اپنا
سنگریزے بھی چمکنے لگیں گوہر کی طرح

جسمِ اقدس پہ جو ہے فقرِ پیمبرؐ کی ردا
سر پہ عمامہ شجاعت کا ہے حیدرؑ کی طرح

یاد آتے ہیں انھیں دیکھ کے محبوبِ خدا
حسن دادا کا ملا ہے علی اکبرؑ کی طرح

اذنِ خلّاقِ دو عالم جو ابھی مل جائے
تختِ بغداد الٹ دیں درِ خیبر کی طرح

ظلم اور جور کی دُنیا میں رہے مثلِ پدر
صبر اور شکر کیا عابدؑ مضطر کی طرح

آ گئی یادِ نقیؑ جب کسی مومن کو پیام
جگمگانے لگا دل حسن کے مقدّر کی طرح

□□

مدحِ ولیِ عصرؑ

اشکِ غم، سوزِ وفا، داغِ جگر پیدا کر
ہے سفر دُور کا، کچھ زادِ سفر پیدا کر

آگ کو پھول بنانے کا ہنر پیدا کر
دل فرزدق کا تو میثم کا جگر پیدا کر

دے سکیں گے نہ سکوں کچھ یہ فلک بوس محل
ہو سکے گر تو کسی دل میں بھی گھر پیدا کر

علم بے سوزِ یقیں ذہن کی بیماری ہے
نظریے تو بنائے ہیں نظر پیدا کر

ہو مُبارک جو خلاؤں میں بنایا رستہ
شہرِ احساس میں بھی راہ گزر پیدا کر

گھڑ گھڑانے سے مشینوں کی طرح کیا حاصل
جس سے دل جاگ اٹھیں وہ بانگِ سحر پیدا کر

چاند پر جاکے تو مٹی کے سوا کچھ نہ ملا
چاند اتر آئے جہاں خود ہی وہ گھر پیدا کر

جو نہ گھبرائے مصیبت میں وہ دل ڈھونڈ کے لا
جو کسی در پہ نہ جھکتا ہو وہ سر پیدا کر

روشنی شمعِ امامت کی کدھر سے آئے
دل کی دیواروں میں پہلے کوئی در پیدا کر

جاکے ٹکرائے تو وہ پردۂ در ہل جائے
اپنی فریاد میں اتنا تو اثر پیدا کر

دے صدا ساکنِ غیبت کو کہ اے نورِ تمام
رات ڈس لینے کو ہے آکے سحر پیدا کر

پھر ہے گم کفر کے ماحول میں مومن کا شعور
حُر کے پہلو میں پھر اکبرؑ کا جگر پیدا کر

اپنے دادا کی طرح اے جگر و جانِ علیؑ
کعبۂ امن و اماں بند ہے در پیدا کر

لوگ پھر تیرے غلاموں کو سمجھتے ہیں ذلیل
ان خزف ریزوں سے پھر لعل و گہر پیدا کر

جادۂ زیست میں خود بوئے ہیں کانٹے ہم نے
وارثِ رحمتِ عالم گلِ تر پیدا کر

اپنے مدّاح کے سینے کو کشادہ کر دے
ذوقِ فن بخش دے عرفانِ ہنر پیدا کر

صرف لفظوں کی اُلٹ پھیر سے کیا ہوگا پیام
شعر لکھنا ہے تو پھر سوزِ جگر پیدا کر

□□

قصیدہ

سحر کو جا کے عرضِ حال ہر اِک چوکھٹ پہ کر آئے
رہا کشکول خالی لوٹ کر جب اپنے گھر آئے

کسی کا بوجھ اُٹھائے کون یاں تو فکر ہے سب کو
کہ اپنا بوجھ کیسے دوسرے کاندھے پہ دھر آئے

نظر والوں کی قسمت میں اندھیروں کے سوا کیا ہے
جو اندھے تھے انھیں کی راہ میں شمس و قمر آئے

کھلے تھے ہر طرف علم و ادب کے میکدے جس میں
سبھی تھے خم کے خم دیکھا تو سب خالی نظر آئے

اگر سلجھی کوئی گتھی تو سو عقدے ہوئے پیدا
ہوا گر مندمل اک زخم تو سو زخم اُبھر آئے

بڑا دلچسپ ہے احباب کا طرزِ محبت بھی
پلایا زہر خود اور خود ہی بن کے چارہ گر آئے

نہ جانے کتنے لاشے رہ گئے قبروں کی حسرت میں
نہ جانے کتنے زندہ پیکروں کو دفن کر آئے

یہی ہے محفلِ تہذیب میں انجام شرکت کا
گئے تھے رکھ کے دستارِ فضیلت ننگے سر آئے

نہ پُوچھو آج ساقی کی دُوکاں پر کتنی رونق تھی
قبائیں بھی دِکھائی دیں عمامے بھی نظر آئے

کرے کیا قاتلوں کے شہر میں اظہارِ حق کوئی
کہاں سے بوذر و سلمان و میثم کا جگر آئے

کبھی آواز دیتے ہیں کبھی فریاد کرتے ہیں
کوئی مشکل کُشا آئے کوئی خیر البشر آئے

یہ انگارے مصائب کے ابھی خود پھول بن جائیں
زمانے میں خلیل اللہ کا وارث اگر آئے

صَدائے العطش آتی ہے اب تو ذرّے ذرّے سے
ضرورت ہے کوئی عباسؑ کا لختِ جگر آئے

اشارہ ہو اگر اپنے زمانے کے محمدؐ کا
ابھی سورج پلٹ جائے ابھی تارا اُتر آئے

جسے بھی دیکھئے اس عہد میں طاقت پہ نازاں ہے
مزا آئے جو ایسے میں علیؑ کا شیرِ نر آئے

پیامؔ الفاظ کی بازی گری کرنے سے کیا حاصل
لہو دل کا جو شامل ہو تو شعروں میں اثر آئے

(۱۹۷۵ء۔ الہ آباد)

ستم تو سہہ نہ سکا وار ایک بچے کا
کئی ہزار کے لشکر دُھائی دینے لگے

آخری تاجدار

آؤ دیوانو ذرا جشنِ بہاراں ہو جائے
آستیں جیب بنے جیب گریباں ہو جائے

ساقیا بند ہیں بوتل میں ہزاروں سورج
کھول دے کاگ تو محفل میں چراغاں ہو جائے

آندھیاں ظلم کی چلتی ہیں اذاں دو جلدی
کہیں شیرازۂ ہستی نہ پریشاں ہو جائے

قافلہ چھوڑ چکا ہے حق و باطل کی تمیز
جس کا جی چاہے وہی رہبرِ دوراں ہو جائے

صرف طاقت کو سمجھتا ہے زمانہ منصب
جس کو مل جائے عصا موسئ عمراں ہو جائے

وہ تسلّط ہے اندھیروں کا کہ ڈر لگتا ہے
پوری بستی نہ کہیں شام کا زنداں ہو جائے

اپنے دروازوں کو سب بند کیے بیٹھے ہیں
سوچتے ہیں نہ مسافر کوئی مہماں ہو جائے

ساتھیو! آؤ اٹھو اس دَرِ دولت پہ چلیں
مورِ بے مایہ جہاں رشکِ سلیماں ہو جائے

للہ الحمد کہ جس کا ہے محافظ موجود
کیسے ممکن ہے کہ وہ بے سر و ساماں ہو جائے

المدد اے جگر و جانِ شہِ قلعہ شکن
دَرِ خیبر کی طرح وَا درِ زنداں ہو جائے

دے دو تم اپنے فقیروں کو جو کردار کی بھیک
پھر بنے کوئی ابوذر کوئی سلماں ہو جائے

کل تھا جبریلؑ کا پَر جس سے پتہ چل نہ سکا
اب تو اندازۂ زورِ شہِ مرداں ہو جائے

اس طرح ٹوٹ کے تلوار کا پانی برسے
پورا عباسِ علمدارؑ کا ارماں ہو جائے

حُر کی قسمت کی طرح جَون کے چہرے کی طرح
شبِ ظلمت سے کہو صبحِ درخشاں ہو جائے

تم تو ہو سیدِ سجادؑ کے وارث مولا
پاؤں کانٹوں پہ جو رکھ دو تو گلستاں ہو جائے

صبرِ زہراؑ کا زمانے کو دکھانے والے
کچھ سکونِ دلِ زہراؑ کا بھی ساماں ہو جائے

ہے مرے فن میں پیامِ آلِ نبیؐ کا جلوہ
شعر محفل میں جو پڑھ دوں تو چراغاں ہو جائے

□

حُجّتِ خُدا

نُورِ علیؑ، جمالِ پیمبرؐ لیے ہوئے
تنویرِ فاطمہؑ، دلِ شبّرؑ لیے ہوئے

کُل انبیائے پاک کے کردار کا نچوڑ
گُل ہائے رنگ رنگ کے جوہر لیے ہوئے

عبّاسؑ نامور کی وفا دل میں موج زن
پہلو میں قلبِ سبطِ پیمبرؐ لیے ہوئے

اکبرؑ کا حوصلہ علی اصغرؑ کی آرزو
شوقِ جہادِ عابدؑ مضطر لیے ہوئے

باقرؑ کا علم جعفرِ صادقؑ کا حوصلہ
کاظمؑ کے صبر و شکر کے تیور لیے ہوئے

رُخ پر رضاؑ کے رُوئے مقدّس کی طلعتیں
دل میں تقیؑ کا عزم مطہّر لیے ہوئے

نُورِ نقیؑ، جمالِ حسنؑ عسکری کے ساتھ
جلوے پیمبروں کے جبیں پر لیے ہوئے

آجائیے اُلٹ کے رُخِ پاک سے نقاب
دُنیا کے بے کسوں کا مقدّر لیے ہوئے

□□

آرزوئے فاطمہؑ

وقتِ آخر بیٹھ جائیں خود وہ آ کے سامنے
اور کشتی ڈوب جائے ناخدا کے سامنے

اب جہاں میں کر نہیں سکتا ہے کوئی فیصلہ
مشکلو! آؤ چلو مشکل کُشا کے سامنے

کون دے دادِ سُخن جب بولتی ہوں آیتیں
بند ہیں قرآں کے لب آلِ عباؑ کے سامنے

اس کے لختِ دل کا ہو انکار لوگو! کس طرح
جس کو مولاؑ کہہ چکا ہوں مصطفٰےؐ کے سامنے

ایک انساں اتنے دن تک کیسے زندہ رہ گیا
اب نہ کہنا یہ کسی حق آشنا کے سامنے

کربلا کے بعد ہمّت موت کی پڑتی نہیں
کیسے آئے ابنِ شاہِ کربلا کے سامنے

راستہ روکے کھڑی ہے آرزوئے فاطمہؑ
کیسے آئے موت زہرؑا کی دُعا کے سامنے

چند آنسو بھی نہیں ہیں جن کے دامن میں پیام
جانے وہ کیا لے کے جائیں گے خدا کے سامنے

□□

سلیقہ سیکھ لو پیاسوں سے سر کٹانے کا
کہ سر کٹا تو خنجر دُہائی دینے لگا

آخری فیصلہ

جو شوق ہے کہ جہادِ رہِ وفا کیجیے
تو پہلے نفس سے اپنے مقابلہ کیجیے

سمندروں سے نہ پانی کی اِلتجا کیجیے
خود اپنی پیاس کو کوثر سے آشنا کیجیے

سِتم گروں سے کرم کی نہ التجا کیجیے
جو ہو سکے تو پھر اعلانِ کربلا کیجیے

نہ مانگیے درِ ظلم و ستم پہ امن کی بھیک
اجل سے آنکھ مِلانے کا حوصلہ کیجیے

جہاں پہ چھوٹا تھا آلِ رسولؐ کا دامن
اسی جگہ سے سفر کی پھر ابتدا کیجیے

یہی تو ایک سہارا ہے ہم غریبوں کا
نہ اِنتظار اگر کیجیے تو کیا کیجیے

سمجھ میں گر نہیں آتی امامؑ کی غیبت
دماغ آپ کا بیمار ہے دوا کیجیے

دل و دماغ کو شائستۂ وفا کیجیے
ظہورِ حضرتِ حُجّت کی اب دُعا کیجیے

امامِ وقتؑ سے یوں عرضِ مُدّعا کیجیے
کیا ہے آنے کا وعدہ تو اب وفا کیجیے

ہمیں بھی خیبر و خندق کا لُطف آجائے
علیؑ کی طرح سے میدان میں وغا کیجیے

حسنؑ کی طرح سے خاموش رہ چکے مولاؑ
حسینؑ بن کے اب اعلانِ کربلا کیجیے

کمالِ صبر جہاں کو دکھائیں گے کب تک
شجاعتِ علوی کا مظاہرہ کیجیے

صدائیں دیتا ہے بنتِ رسول کا دعویٰ
مقدمہ ابھی زندہ ہے فیصلہ کیجیے

نظامِ عدلِ الٰہی زمیں پہ ہو نافذ
نبیؐ نے فرض جو چھوڑا ہے وہ ادا کیجیے

پیامِ عرض کرو بارگاہِ اقدس میں
فقیر بیٹھا ہے ڈیوڑھی پہ، کچھ عطا کیجیے

□□

قصیدہ

کبھی پہونچے تہِ خنجر کبھی بالائے دار آئے
تیرے دیوانے زلفِ گردشِ دوراں سنوار آئے

دماغِ بوذری لے کر کبھی دربارِ شاہی میں
گئے اور جا کے سارا نشۂ دولت اتار آئے

کبھی قصرِ ذلالت میں ڈبو دی ناؤ باطل کی
کبھی مظلوم کی ڈوبی ہوئی کشتی ابھار آئے

پسینہ تک نہ آیا عزم اور ہمت کے ماتھے پر
یہ طوفاں ہم سے ٹکرانے نہ جانے کتنی بار آئے

قدم بڑھتے ہوئے پیچھے ہٹا سکتا نہیں کوئی
پڑے نوک سناں راہوں میں یا خنجر کی دھار آئے

فقیرانہ اگر گزرے کبھی شاہوں کی بستی سے
کسی کا تخت الٹ آئے کسی کا تاج اتار آئے

خزاں کا دور اپنی مصلحت کا نام ہے ورنہ
جہاں رکھ دیں قدم اپنا وہیں فصلِ بہار آئے

تماشہ دیدۂ تاریخ نے یہ بھی تو دیکھا ہے
کھلائے پھول ہم نے اور ہمارے حق میں خار آئے

ڈرے وہ قوم کیسے گرمیِ صبحِ قیامت سے
جو دشتِ کربلا میں دوپہر اپنی گزار آئے

بکھیرے علم کے موتی اگر پہونچے سرِ منبر
زمیں مقتل کی کانپ اٹھی جو سوئے کارزار آئے

ہم ان کے ماننے والے ہیں جن کے اک اشارے پر
زمیں پر آسمانوں سے اتر کر ذوالفقار آئے

خدا رکھے سلامت ہے ہمارا آخری وارث
نظر ہے مرضیِ رب پر کہ حکمِ گیرودار آئے

رکھے ہیں ہاتھ قبضے پر مثالِ فاتحِ خیبرؑ
ہیں اس کے منتظر کب تیغ کے منہ تک شکار آئے

نظر مقتل پہ ہے اور کھولتا ہے خون سینے میں
لٹا ہو جس کا سارا گھر اسے کیسے قرار آئے

ابلتی پڑ رہی ہے نیام سے تیغِ یداللہ یوں
تمنا ہے کہ اک حملے میں ہر دشمن کو مار آئے

جہادِ حضرتِ عباسؑ کا گھٹتا ہوا ارماں
صدا دیتا ہے میرے لال وقتِ کارزار آئے

علیؑ کا شیر غصے میں ہے سب مل کر دعا مانگو
"نہ جانے کیا ہو گر پردے سے باہر پردہ دار آئے"

□□

اعجازِ امامت

حسنِ پردہ دار کب جلوہ نما ہوتا نہیں
شیشۂ دل خود ہی تیرا آئینہ ہوتا نہیں

بے خبر کہتا ہے ہم میں رہ نما ہوتا نہیں
ٹھوکریں کھاتا ہے لیکن تجربہ ہوتا نہیں

قابلِ افسوس ہیں وہ لوگ جن کی راہ میں
مشکلیں ہوتی ہیں اور مشکل کشا ہوتا نہیں

دل بھی جھکنا چاہیے اے زاہدانِ محترم
سر جھکا کر بندگی کا حق ادا ہوتا نہیں

چادرِ احرام سے چھپتے نہیں سیرت کے داغ
صرف حج کرنے سے کوئی پارسا ہوتا نہیں

کل تو خود گمراہ تھے اور آج قائد بن گئے
اتنی آسانی سے یہ منصب عطا ہوتا نہیں

خون بھی اپنا جو ٹپکا دے وہی ہے باغباں
نخلِ ہستی صرف پانی سے ہرا ہوتا نہیں

ڈوبنا آئے نہ جس کو دوسروں کے واسطے
وہ جہازِ زندگی کا ناخدا ہوتا نہیں

اس کے گھر پر جائیے دنیا کو سمجھے جو حقیر
بندۂ حرص و ہوس حاجت روا ہوتا نہیں

صرف ان کو زیب دے گی ذوالفقارِ کبریا
قتل جن ہاتھوں سے کوئی بے خطا ہوتا نہیں

یہ ہے اعجازِ امامت ورنہ دنیا میں ہر ایک
کھا کے سوکھی روٹیاں خیبر کشا ہوتا نہیں

خود حرم کو تھی ضرورت اپنی حرمت کیلئے
ورنہ ہر اک خانہ زادِ کبریا ہوتا نہیں

سب کو ملتا ہے کہاں زورِ الٰہی کا شرف
ہر بشر میداں میں جا کر لافتیٰ ہوتا نہیں

جس نے لی ہو بستیِ کردار میں اک سانس بھی
راکبِ دوشِ رسولِؐ کبریا ہوتا نہیں

ہر کس و ناکس خلیفہ ہو تو سکتا ہے مگر
ہر خلیفہ جانشینِ مصطفےٰؐ ہوتا نہیں

وہ سرِ نیزہ تلاوت کر رہا ہے شہ کا سر
وارثِ قرآن قرآں سے جدا ہوتا نہیں

قطع ہرگز عصمتوں کا سلسلہ ہوتا نہیں
از محمدؐ تا محمدؑ فاصلہ ہوتا نہیں

کب علیؑ ہوتا نہیں کب مصطفےٰؐ ہوتا نہیں
کاروانِ حق کبھی بے رہنما ہوتا نہیں

آج بھی موجود ہے وہ عہدِ حاضر کا مسیح
ہاتھ جس کا نبضِ عالم سے جدا ہوتا نہیں

روشنی دیتا ہے مثلِ آفتاب زیرِ ابر
اور کہنے کو بظاہر سامنا ہوتا نہیں

بے بصیرت لوگ یوں ہی منکرِ انوار ہیں
روشنی کا جیسے اندھوں کو پتہ ہوتا نہیں

گرنے والے جانتے ہیں کون لیتا ہے سنبھال
قافلے والوں سے غافل رہنما ہوتا نہیں

جرم ثابت ہے تو پھر کیوں فیصلہ ہوتا نہیں
کیا ترے سینے میں دردِ کربلا ہوتا نہیں

بزمِ ہستی میں ہیں شامل آج بھی کتنے یزید
اے علیؑ کے شیر کیوں اذنِ وغا ہوتا نہیں

دل کو تڑپاتی ہے دادا کی صدائے الغیاث
کیا کریں مجبور ہیں حکمِ خدا ہوتا نہیں

صرف لفظیں جوڑ کر شاعر نہیں بنتے پیامؔ
بے دلِ بیتاب کوئی خوش نوا ہوتا نہیں

□□

معرکہ آخر

نوکِ سناں میں دم ہے نہ خنجر کی دھار میں
سنّاٹا چھا چکا ہے ستم کے دیار میں

تیروں کے سر جھکے ہیں کمانیں ہیں سجدہ ریز
سکرات میں ہے ظلم، جفا احتضار میں

صدیاں گزر گئیں جب اُٹھا تھا کوئی جری
لشکرِ ستم کے آج بھی ہیں انتشار میں

دستِ اجل جہاں تھا وہیں پر ہے آج بھی
راہِ حیات بن گئی تیغوں کی دھار میں

ٹھوکر لگی کچھ ایسی کہ اب تک پتہ نہیں
کیا جانے تخت و تاج گئے کس دیار میں

گھٹتا نہیں ہے زورِ الٰہی کسی طرح
لگتا نہیں ہے زنگ کبھی ذُوالفقار میں

جس کو مٹا دیا تھا خزاں نے بزعمِ خود
وہ پھُول اب بھی ہے چمنِ روزگار میں

رکھّے ہوئے ہے نبضِ دو عالم پہ اُنگلیاں
دھڑکن بنا ہوا ہے دلِ روزگار میں

بَر میں علیؑ کی تیغ جگر میں نبیؐ کا عزم
زورِ خدا ہے دستِ عدالت شعار میں

دُنیائے بحر و بر کا کھڑے ہیں لیے حساب
الیاسؑ اور خضرؑ یمین و یسار میں

راہوں میں جبرئیل بچھائے ہوئے ہیں پر
کب تیغ کھینچ لیں ہیں اسی انتظار میں

لہرا رہا ہے دوش پہ عبّاسؑ کا علم
تشنہ لبوں کی یاد دلِ بے قرار میں

ہے مصلحت جو شیرِ نیستانِ فاطمہؑ
بیٹھا ہوا ہے صبر و رضا کی کچھار میں

کہتی ہے بار بار تڑپ کے علی کی تیغ
ارماں مچل رہے ہیں دلِ بے قرار میں

صدیوں کی پیاس خونِ عدو سے بُجھایئے
کب تک رہوں گی تشنہ جگر روزگار میں

صُلحِ حسنؑ دکھا چکے اَب جراُتِ حسینؑ
دکھلادو آکے معرکۂ کارزار میں

ہے منتظر زمانہ کہ آکر اذان دو
دادا کی طرح خانۂ پروردگار میں

□□

قافلہ سالار

جادۂ حق میں مقامِ رسن و دار بھی ہے
کیا کہیں حوصلۂ میثمِ تمّار بھی ہے

کون توڑے درِ زنداں کہ ہر اک طائرِ فکر
خود ہی صیّاد بھی ہے خود ہی گرفتار بھی ہے

بچ کے موجوں سے کہاں جاؤ گے اے اہلِ خرد
وہی طوفان جو اس پار ہے اس پار بھی ہے

چند سکّوں کو سمجھتا ہے متاعِ دل و جاں
اہلِ دولت جسے کہتے ہیں وہ نادار بھی ہے

جسمِ پیراہنِ رنگیں میں ٹِکے گا کب تک
رُوح بھوکی بھی ہے ننگی بھی ہے بیمار بھی ہے

نعرہ آزادیٔ انساں کا لگانے والو!
کیا کسی پاؤں کی زنجیر میں جھنکار بھی ہے

ہیں کہاں آج وہ ٹھوکر میں اُڑانے والے
شام کا تخت بھی ہے کوفے کا بازار بھی ہے

صرف روٹی ہی نہیں گردشِ دوراں کا علاج
نوعِ انساں کی ضرورت دلِ بیدار بھی ہے

دل کے داغوں کو جلاؤ کہ اُجالا ہو جائے
راہ تاریک بھی سنسان بھی پُرخار بھی ہے

اس کڑی دھوپ میں جل جائے نہ انساں کا وجود
جادۂ غم میں کہیں سایۂ دیوار بھی ہے

یاعلی کہہ کے قدم جادۂ ہستی میں بڑھاؤ
قافلہ ہے تو کوئی قافلہ سالار بھی ہے

نام پر جس کے لرزتا ہے اندھیروں کا جگر
بزمِ ہستی میں وہ خورشیدِ ضیا بار بھی ہے

وقت کے مرحب و عنتر کو بتا دو جا کر
وہ محمدؐ ہی نہیں حیدرِؑ کرّار بھی ہے

دلِ زہراؑ کی تمنّاؤں کا حاصل ہے وہی
روشنیٔ نگہ، احمدِؐ مختار بھی ہے

بیڑیاں ظلم کی توڑے گا، جفاؤں کی رسن
وارثِ عزمِ دلِ عابدِؑ بیمار بھی ہے

حرفِ آخر نہ کہو ایٹمی ہتھیاروں کو
اسی دُنیا میں تو اللہ کی تلوار بھی ہے

پیاس اک اک کی بجھا دے گا وہ اے تشنہ لبو
حالِ قوتِ عباسؑ علمدار بھی ہے

صبرِ زہراؑ کا تقاضا تھا جو اب تک ہے خموش
ورنہ پہلو میں دلِ حیدرِ کرّار بھی ہے

کون ہے اس کے سوا اپنی پناہ گاہ پیام
وہی آقا بھی ہے مالک بھی ہے مختار بھی ہے

ضربتِ آخر

پئے مدد جو علیؑ کو بُلا نہیں سکتے
سکون قبر میں بھی جا کے پا نہیں سکتے

اُڑا دیا ہے مری ٹھوکروں نے جانے کہاں
کہ تخت و تاج پلٹ کر اب آ نہیں سکتے

ہوائے ظلم کے جھونکو! اِدھر کہاں آئے
یہ میرے دل کا دیا ہے، بُجھا نہیں سکتے

قدم قدم پہ یونہی ٹھوکریں ملیں گی تمھیں
کرم کی بھیک جو اس در سے لا نہیں سکتے

علاجِ گردشِ دوراں کرو گے خود شِکنو!
لہو بہاؤ گے آنسو بہا نہیں سکتے

بُجھی ہوئی ہے اگر شمعِ عشقِ آلِ نبیؐ
کہیں پناہ اندھیروں سے پا نہیں سکتے

ستارے توڑ کے لاؤ کہ چاندنی ڈھالو
اُجالے دل کے دریچوں تک آ نہیں سکتے

اگر ہے سر پہ علَم حجّتِ الٰہی کا
چُھری کی دھار پہ بھی ڈگمگا نہیں سکتے

جلو حیات کے مارو وہیں چلیں کہ جہاں
بغیر اذن فرشتے بھی جا نہیں سکتے

مہک رہی ہے فضا بُوئے پیرہن سے مگر
کہاں وہ بیٹھے ہوئے ہیں بتا نہیں سکتے

مگر یہ کہتی ہے پردے سے شیر کی ہیبت
شکار سامنے سے بچ کے جا نہیں سکتے

نظر ہے رن کی طرف کھولتا ہر دل کا لہو
گزر چکے ہیں جو طوفاں بُھلا نہیں سکتے

نہ پوچھ جوشِ شجاعت پہ صبر کی بندش
کہ تیغ ہاتھ میں ہے اور اُٹھا نہیں سکتے

مگر جو اُٹھی تو انسان کیا فرشتے کیا
یہ بارِ ضربتِ آخر اُٹھا نہیں سکتے

دُعا کرو کہ کلائی پکڑ لے صبرِ بتولؑ
کہ جبرئیل بھی اب پر بچھا نہیں سکتے

پیامِ سازِ مسرت کسے سُناؤ گے
ابھی ہیں سوگ میں ہم مُسکرا نہیں سکتے

□

قطعہ

جنابِ شیخ کی پرچھائیوں میں بیٹھے ہیں
نکل کے بزم سے تنہائیوں میں بیٹھے ہیں

انھیں بھی توڑ دے اے بت شکن کے قلب و نظر
وہ بت جو رُوح کی گہرائیوں میں بیٹھے ہیں

پردۂ غیبت

جو محفل میں کبھی بادِ صبا آتی ہے پردے سے
تو خوشبوئے ریاضِ فاطمہؑ آتی ہے پردے سے

کسی بے کس کی جب فریاد ٹکراتی ہے پردے سے
نہ گھبراؤ ہم آتے ہیں صدا آتی ہے پردے سے

فضائے قلبِ مومن میں اندھیرا ہو نہیں سکتا
یہ وہ گھر ہے کہ جس گھر میں ضیا آتی ہے پردے سے

یقیناً حضرتِ جبریلؑ بھی خدمت میں ہیں حاضر
کہ رہ رہ کر صدائے لافتیٰ آتی ہے پردے سے

علم ہاتھوں میں لہراتا ہے عباسؑ دلاور کا
مشامِ جاں میں خوشبوئے وفا آتی ہے پردے سے

تڑپ جاتی ہے شاید ذوالفقارِ فاتحِ خیبر
جو بجلی کے کڑکنے کی صدا آتی ہے پردے سے

□□

سُنائی دیتی ہے دھڑکن دلِ زہراؑ و حیدرؑ کی
چمن میں جب کبھی موجِ ہوا آتی ہے پردے سے

کہیں گے چرخِ بر عیسیٰؑ ہٹا دیں گے وہ جب پردہ
مجسّم ہو کے زہراؑ کی دعا آتی ہے پردے سے

وہ کعبہ ہو کہ قرآں ہو شریعت ہو کہ ایماں ہو
ہیں زندہ آج تک ان کی غذا آتی ہے پردے سے

علیؑ والوں کو اس دُنیا کے مَے خانوں سے کیا مطلب
جو پیتے ہیں وہ صہبائے ولا آتی ہے پردے سے

سکوں ملتا ہے پوتے کی جوانی دیکھتی ہیں جب
دلِ زہراؑ کے زخموں کی دوا آتی ہے پردے سے

خبر کر دو انھیں جو خیبر و خندق سے بھاگے تھے
علیؑ کی تیغ پھر بہرِ وغا آتی ہے پردے سے

برسنے کو ہے پانی دہر میں مشکِ سکینہ کا
اُٹھو پیاسو! کہ رحمت کی گھٹا آتی ہے پردے سے

□□

رُوحِ کائنات

یہ بزمِ ہستی ہے کیسے قائم جو کوئی رُوحِ رواں نہیں ہے
عجیب منطق ہے دوستو! یہ کہ جسم ہے اور جاں نہیں ہے

مہک رہی ہیں ہوائیں کیونکر اگر نہیں ہے کوئی گُلِ تر
فضائیں ہیں کس طرح منوّر چراغ اگر ضوفشاں نہیں ہے

نہ کھولئے بے سبب زبانیں، بہت سُنی ہیں یہ داستانیں
یہ بات مانیں تو کیسے مانیں کہ باغ ہے باغباں نہیں ہے

چھلک رہے ہیں گلوں کے ساغر، برس رہی ہے شرابِ احمر
یہ میکدہ چل رہا ہے کیونکر جو کوئی پیرِ مغاں نہیں ہے

ہے چاند سورج میں یوں چمک کیوں تو لالہ و گل میں ہے مہک کیوں
زمیں پہ گرتا نہیں فلک کیوں اگر کوئی درمیاں نہیں ہے

زمینِ مکّہ پہ بیت ہے کیوں اگر نہیں اہلِ بیت کوئی
مکان ہے تو مکیں بھی ہوگا مکیں نہیں تو مکاں نہیں ہے

وہ فہد و صدّام ہوں کہ بُش ہو سبھی ہیں اس ایک جاں کے دشمن
اکیلا ایران کیوں ہے زندہ اگر کوئی پاسباں نہیں ہے

سوالِ بیعت اُٹھا کے دیکھو وہ نسخہ پھر آزما کے دیکھو
جو پہلے انکار کر چکا ہے وہ آج بھی بے زباں نہیں ہے

ستم جو ہوتا ہے بے کسوں پر لرزنے لگتا ہے پردۂ در
جلادے آکے مرا نشیمن مجالِ برقِ تپاں نہیں ہے

دُعائے زہرؑا ہے راہ روکے، اجل جو آئے تو کیسے آئے
رسولؐ کا دل دھڑک رہا ہے یہ طولِ عمرِ رواں نہیں ہے

وہ آئیں گے جب نقاب اُلٹ کر کہے گی تب ذوالفقارِ حیدرؑ
سُنایا جائے گا اب نتیجہ، یہ منزلِ امتحاں نہیں ہے

(۱۹۸۹ء۔ الٰہ آباد)

حضرتِ حجّتؑ

جس دل میں عشقِ آلِؑ رسولِ خدا نہ ہو
اک ایسا کینسر ہے کہ جس کی دوا نہ ہو

فانوسِ بے چراغ ہے اُس گھر کی زندگی
جس گھر میں جانماز ہو خاکِ شفا نہ ہو

بے اہلِ بیتؑ پاک رسولؐ خدا کی ذات
ہے ایسا شہر جس کا کوئی راستہ نہ ہو

ہم ایسے رہبروں کی کریں گے نہ اقتدا
راہوں کے پیچ و خم کا جنھیں خود پتہ نہ ہو

عزمِ جواں اگر ہے تو لشکر کا خوف کیوں
نادِ علیؑ پڑھو جو کوئی اسلحہ نہ ہو

سُن کر علیؑ کا ذکر جو چہرہ اُتر گیا
خونِ نجس رگوں میں کہیں دوڑتا نہ ہو

یہ تو نظامِ عدلِ الٰہی کے ہے خلاف
دنیا میں مشکلیں تو ہوں مشکل کشا نہ ہو

زندہ نہ رہ سکے گا بدن رُوح کے بغیر
ممکن نہیں کہ دہر ہو وجہِ بقا نہ ہو

عیسٰیؑ وضو کیے ہوئے بیٹھے ہیں عرش پر
یہ فکر ہے نمازِ مودّت قضا نہ ہو

ہاتھوں میں ذُوالفقار، رگوں میں علیؑ کا خوں
لیکن وہ کیا کرے جسے اذنِ وغا نہ ہو

□□

کاش

جو کفن پہن کے نکل پڑے تو ستم کا نقش مٹا دیا
سرِ دارِ عشق کی بات کی تہِ تیغ درسِ وفا دیا

تھی مہیب کتنی وہ رات بھی کہ فضا اگلتی تھی تیرگی
جو ملی کہیں سے نہ روشنی تو چراغ دل کا جلا دیا

کبھی ظلمتوں نے اٹھایا سر کبھی روشنی کو ملی ظفر
یہی معرکہ رہا رات بھر نہ رکی ہوا نہ بجھا دیا

جو نہ تیغِ تیز سے کٹ سکے یہ جفا و ظلم کے سلسلے
تو خود اپنے خون کی دھار کو تیری ذوالفقار بنا دیا

جو بڑھا غرورِ ستم گری تو لگا کے نعرۂ حیدری
جہاں موت کرتی تھی داوری وہیں زندہ رہنا سکھا دیا

نہ چھری میں دم نہ کماں میں خم کہ ستم کو ڈس گیا خود ستم
کیا قتل تیرے شہید کو کہ گلا خود اپنا کٹا دیا

لئے روشنیِ دل و نظر پسِ پردہ اب بھی ہے جلوہ گر
یہ سمجھ رہی تھیں کل آندھیاں کہ چراغ ہم نے بجھا دیا

ہے خموش مثلِ حسنؑ ابھی، جب اُٹھے گا تختِ دلِ علیؑ
تو صدا اُٹھے گی گلی گلی کہ ستونِ ظلم گرا دیا

وہ خدا کا قہر ہے چار سُو، وہ لہو برستا ہے کو بہ کو
وہ علی کی تیغ ہے سُرخرو کہ اک ایک قرض چکا دیا

نہ وہ مسئلے ہیں حیات کے نہ وہ مرحلے غمِ ذات کے
جو فصیلِ غم تھی وہ گر گئی جو پہاڑ تھے انھیں ڈھا دیا

وہ دُرود پڑھتی ہے سامرہ وہ سلام کہتی ہے کربلا
وہ حرم نے سجدۂ شکر میں سرِ انبساط جھکا دیا

وہ نبیؐ کی قبر نے دی صدا مرے لال آ مرے لال آ
مری حسرتوں کا سلام لے کہ زمیں کو خلد بنا دیا

وہ علیؑ نجف میں ہیں نعرہ زن، مرے شیرِ دل مرے صف شکن
ترے بازوؤں کو تو چوم لوں مرا زور تو نے دکھا دیا

وہ لبِ فرات پکار اُٹھی کسی تشنہ کام کی تشنگی
میرا کام قبضۂ آب تھا تو مصلّے تو نے بچھا دیا

نہ کوئی غریب وطن ہے اب، نہ کسی گلے میں رسن ہے اب
جہاں آگ اُگل رہی تھی زمیں وہیں جا کے پھول کھلا دیا

جو رگِ حیات کو خوں ملا، تو دُکھے دلوں کو سکوں ملا
وہ کوئی بہن ہے دُعا بلب، کسی ماں نے سوگ بڑھا دیا

ہیں پیام دل کی حسرتیں جو لباسِ شعر میں ڈھل گئیں
کوئی کاش آ کے یہ دے خبر کہ انھوں نے پردہ اٹھا دیا

□□

سلسلۂ عصمت

روکیں جو رہِ مولا ممدوح وہ کیونکر ہوں
بُت ہیں مری نظروں میں انساں ہوں کہ پتّھر ہوں

اے ہمّتِ مردانہ رستے سے نہ لوٹ آنا
ٹھکرا کے گزر جانا فوجیں ہوں کہ لشکر ہوں

اخلاق کی ضربوں نے توڑے ہیں بھرم سب کے
نیزے ہوں کہ ناوک ہوں تیغیں ہوں کہ خنجر ہوں

اس بزمِ مودّت میں کیا کام ہے غیروں کا
محفل سے نکل جائیں جو دشمنِ حیدر ہوں

اے اُمتِ پیغمبرؐ! یہ رازِ عمل سُن لے!
منزل جنھیں خود ڈھونڈھے اس شان کے رہبر ہوں

لب اپنے اگر کھولیں قرآں کی طرح بولیں
نقشِ کفِ پا جن کے رشکِ مہ و اختر ہوں

منبر پہ نظر آئے اعجاز خطابت کا
مسجد میں نمازی ہوں میداں میں غضنفر ہوں

کُفّار کے لشکر ہوں ہیبت سے تہ و بالا
تنہا ہوں مگر رن میں لاکھوں کے برابر ہوں

اس نُور کے جلوؤں کو کیا کوئی چھپائے گا
جس نور سے تابندہ مہر و مہ و اختر ہوں

کردار کے دامن پر دھبّہ کوئی دِکھلا دو
ہے شرط کہ تنقیدیں انصاف کے اندر ہوں

ہار ایسا کہیں ہم نے دُنیا میں نہیں دیکھا
جس ہار کے کل موتی قیمت میں برابر ہوں

□□

ذکرِ پیغمبرؐ

ذہنِ انسانی کہاں اور ذکرِ پیغمبرؐ کہاں
بحرِ بے ساحل کہاں چھوٹا سا یہ ساغر کہاں
بارِ مدحت کا اُٹھا سکتا ہے مدحت گر کہاں
اتنی گنجائش بھلا الفاظ کے اندر کہاں
کیا عجب ہے ٹوٹ جائے فکر کا لنگر کہاں

جس کے بچے آبروئے مشرقین و مغربین
جس کے اہلبیتؑ ہیں انسانیت کی زیب و زین
قوّتِ بازو ہے جس کا فاتحِ بدر و حنین
جس کی بیٹی فاطمہؑ جس کا نواسہ ہے حسینؑ
ایسے گھر والے کہاں ہیں اور ایسا گھر کہاں

عشقِ پیغمبرؐ ہے اور عترت سے گھبراتے ہو تم
شاخ سے اُلفت ہے اور پھولوں سے کتراتے ہو تم

اے مُسلماں! ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتے ہو تم
چھوڑ کر دامن علیؑ کا کس طرف جاتے ہو تم
یہ تو ہے دوزخ کا رستہ اِس طرف کوثر کہاں

لے گئے جب عرش پر تشریف محبوبِؐ اِلٰہ
جنبشِ زنجیرِ در، یاں دیکھتی تھی حق کی راہ
اگر وہی ہوتے تو ملتی اُن کے دامن میں پناہ
کوئی اُمّت تھی جو ہٹتے ہی بدل دیتی نگاہ
چھوڑ کر بستر کو جاتی گرمیِ بستر کہاں

بوریئے کو تخت سمجھا جس نے شاہی کے لئے
بخش دی راہِ عمل ہر ایک راہی کے لئے
یہ بھی تھا مخصوص محبوبِ الٰہی کے لئے
سنگریزے ہاتھ پر آئے گواہی کے لئے
بولتے ہیں ورنہ دُنیا میں کبھی پتھر کہاں

عظمتِ کردار

اتنا اُونچا تیرا کردار نظر آتا ہے
عرش بھی سایۂ دیوار نظر آتا ہے

تیرے اخلاق کی ضربوں سے مچی ہے ہلچل
منتشر لشکرِ کفّار نظر آتا ہے

تونے جس روز سے دُشمن کی عیادت کی ہے
کفر اس روز سے بیمار نظر آتا ہے

بولا رضوان کہ جنّت میں نہیں دل لگتا
خانۂ احمدِؐ مختار نظر آتا ہے

فخرِ انبیاء

زمانے میں کوئی تیرے برابر ہو نہیں سکتا
کہ قطرہ لاکھ بڑھ جائے سمندر ہو نہیں سکتا

جوابِ صاحبِ معراج پائے گی کہاں دُنیا
کوئی ہم وزنِ نعلینِ پیمبرؐ ہو نہیں سکتا

جو داخل کر لے سلمانؑ کو بھی اہلِ بیتؑ میں اپنے
جہاں میں ایسا کوئی بندہ پرور ہو نہیں سکتا

جہاں روشن غریبوں کا مقدر ہو نہیں سکتا
کوئی دربار ہو گا بابِ حیدرؑ ہو نہیں سکتا

نہ ہو خوشبو تو عرفانِ گُلِ تر ہو نہیں سکتا
بلا مدحِ علیؑ ذکرِ پیمبرؐ ہو نہیں سکتا

ترے بیٹوں نے اپنا سر کٹا کے سربلندی دی
کہ نیچا اب کبھی اسلام کا سر ہو نہیں سکتا

علیؑ

جب سے رکھا علیؑ نے قدم آن بان سے
سجدہ کرا رہی ہے زمیں آسمان سے

یوں ہی نبیؐ علیؑ میں نہیں کوئی فاصلہ
جیسے ملی ہوئی ہے اقامت اذان سے

رتبہ علیؑ کا خانۂ داور سے پوچھ لو
عظمت مکین کی ہے زیادہ مکان سے

اے شیخ اس طرف سے مسافت رہے گی کم
فردوس دو قدم ہے علیؑ کے مکان سے

گھبرا کے خود ہی ہٹ گئیں راہوں سے مشکلیں
مشکل کشا کا نام جو نکلا زبان سے

بے ان کے ذکر مرسلِ اعظمؐ ہے وہ کتاب
غائب ہوں جس کے سارے ورق درمیان سے

عرفانِ علیؑ

جو ذوقِ علم و فکر و آگہی ہے
اگر کردار میں پاکیزگی ہے
شرافت کچھ جو ورثے میں ملی ہے
دماغوں میں اگر کچھ روشنی ہے
بہت آسان عرفانِ علیؑ ہے

کتاب اللہ افسانہ ہے اُن کا
نبیؐ کی گود کاشانہ ہے اُن کا
چراغِ طور پروانہ ہے اُن کا
خدا کا گھر زچہ خانہ ہے اُن کا
دلیلِ حق خود ان کی زندگی ہے

□□

مدحِ معصومہؑ

لکنت نہ ہو کیوں اہلِ سیاست کی زباں میں
تلوار کی جھنکار ہے بے کس کی فغاں میں
اُٹھّا کیا طوفان مظالم کا جہاں میں
جنبش بھی نہ آئی قدمِ عزمِ جواں میں
تھا باپ کا دل بہلوئے خاتونِ جناں میں

زہرؑا تو ہے سرمایۂ آغوشِ پیمبرؐ
زہرؑا تو ہے پیغامِ الٰہی کا مقدّر
زہرؑا تو ہے سرچشمۂ صد زمزم و کوثر
عظمت میں کسے رکھو گے زہرؑا کے برابر
فِضّہ کا بھی ہمسر نہیں پاؤ گے جہاں میں

باقی ہے کہاں خنجر و شمشیر کی آواز
گم ہوگئی اہلِ زر و جاگیر کی آواز
پھیلی ہے مگر نالۂ شبگیر کی آواز
چکّی کی صدا بن گئی تکبیر کی آواز

تاریخ کا رُخ موڑ دیا رہ کے مکاں میں

مجبور ہے سورج کو بجھائے کوئی کیسے
اس نقشِ حقیقت کو مٹائے کوئی کیسے
پردے میں روائت کے چھپائے کوئی کیسے
بیٹی کو محمدؐ کی بھلائے کوئی کیسے
باقی ہے ابھی نام محمدؐ کا اذاں میں

مریمؑ سے کہو لیں سرِ اقدس کی بلائیں
حوّا سے کہو اپنی ردا آکے بچھائیں
آیاتِ الٰہی درِ دولت کو سجائیں
ڈیوڑھی پہ فرشتوں سے کہو سر کو جھکائیں
معصومہؑ کونین کی آمد ہے جہاں میں

کہتی ہیں خدیجہؑ اسے آغوش میں لیکر
اے شمعِ ضیا بارِ تمنّائے پیمبرؐ
کہتے تھے عدو سیدِّ کونین کو ابتر
صدقے ترے اب ہیں در و دیوار منوّر
بے تیرے اندھیرا تھا پیمبرؐ کے مکاں میں

(سنہ ۱۹۷۹ء الہ آباد)

سیّدہ عالمؑ

تیرا آنا چہرہ ہستی کی تابانی بنا
کوئی تیرا اور نہ شوہر کا ترے ثانی بنا
تیرا سارا گھر کا گھر آیاتِ ربّانی بنا
تیرا خدمت گار امینِ وحیٔ ربّانی بنا

ناقہ تیرے لال کا محبوبؐ سبحانی بنا

کس قدر روشن حقیقت ہے یہ احسانِ بتول
پرورش ایماں نے پائی زیرِ دامانِ بتول
دولتِ ختمِ رسل مولود مرجانِ بتول
کردیا کوثر عطا حق نے بعنوانِ بتول

اور ابتر دشمنِ محبوبؐ سبحانی بنا

تجھ سے قائم آج بھی ہے حق رسی کا سلسلہ
تجھ سے باقی رہ گیا نسلِ نبیؐ کا سلسلہ

تیرے دم سے عورتوں کی زندگی کا سلسلہ
ختم آخر ہو گیا دختر کُشی کا سلسلہ

تیرا آنا عزتِ تہذیبِ انسانی بنا

سلسلہ جس دین کا تختِ حکومت سے چلا
رفتہ رفتہ بن گیا سازِ تعیش کی صدا
مرکزِ بغض و کدورت دفترِ حرص و ہوا
اور جو اسلام تیرے در سے دنیا کو ملا

فقرِ بوذر عزمِ قنبر صدقِ سلمانی بنا

اے کہ تیری گود ہے صبر و رضا کی درسگاہ
رکھی بیٹوں کے سروں پر خود شہادت کی کلاہ
ماتما نے تیری ڈالی ہے بنائے لا الٰہ
شبّرؑ و شبّیرؑ اور کلثومؑ و زینبؑ ہیں گواہ

جس کو پالا پیکرِ ایثار و قربانی بنا

کہ عبا تھی گہ مصلّیٰ تھی کبھی بستر بنی
کتنی قدروں کی علامت اک تری چادر بنی

حکم حق سے جو دوائے ضعفِ پیغمبر بنی
رہن ہو کر آبروئے ساقیٔ کوثر بنی
جس کا ہر پیوند فخرِ نوعِ انسانی بنا

سرحدِ عصمت میں ہو کیسے تخیّل کا گزر
تنگ ہے لفظوں کا دامن فکر کے جلتے ہیں پر
اُف وہ جلووں کی فراوانی یہ علمِ مختصر
موجزن ہر سُو فضائل کا سمندر دیکھ کر
جذبۂ مدحت گری تصویرِ حیرانی بنا

□□

(سنہ ۱۹۷۹ء ۔ الہ آباد)

وزنِ امامت

مہر جھومے وفا مسکرائے
دینِ اسلام آنکھیں بچھائے
آکے جبریلؑ جھولا جھلائے
کہدو قرآں سے لوری سنائے
آج عالم میں شبیرؑ آئے

کون سمجھے بھلا اُس کی عظمت
ناز اٹھاتی ہے جس کے مشیت
جس کا جھولا جھلائے رسالت
جس کی منزل ہے دوشِ نبوّت
جو پیمبرؐ کو ناقہ بنائے

کوئی منزل کوئی راستہ ہو
عزم و ہمّت ہو صبر و رضا ہو
عرش ہو خانۂ کبریا ہو
وہ مدینہ ہو یا کربلا ہو
تیرے جلوؤں میں سب جگمگائے

جو کہ معراج ہے بندگی کی
جس نے عزّت رکھی ہر نبی کی
مر کے خیرات دی زندگی کی
آبرو رہ گئی آدمی کی
کوئی کیسے اُسے بھول جائے

محوِ سجدہ ہیں فخرِ رسالت
پشت پر ہے نمازوں کی عزّت
کیوں ہے اس پر زمانے کو حیرت
جانتا ہے جو وزنِ امامت
کیسے سجدے سے سر وہ اُٹھائے

جس نے سکھلا دیا مر کے جینا
جو ہے تاجِ وفا کا نگینہ
جس کی چوکھٹ ہے مکّہ مدینہ
جب سے ڈوبا ہے اس کا سفینہ
آج تک پھر نہ طوفان آئے

یہ سبق دے گیا رن میں جا کر
جاں دو بہرِ خدا مسکرا کر
نیند آئے دلوں کو جگا کر
سر کٹے کفر کا سر جھکا کر
گھر جلے آنچ حق پر نہ آئے

□□

مدحِ زینبؑ

زینبؑ نے قصرِ ظلمِ یزیدی گرا دیا
صدیوں میں جو بنا اسے لمحوں میں ڈھا دیا

قطروں میں بھر دیا ہے سمندر نچوڑ کر
اشکِ غمِ حسینؑ کو طوفاں بنا دیا

نازاں تھا کفر جس پہ اسی تخت و تاج کو
ذلّت کی نالیوں میں اٹھا کر بہا دیا

زنجیر و طوق باعثِ ذلّت نہیں رہے
زنداں کو حرّیت کا دبستاں بنا دیا

بھائی کے غم کو پال کے اولاد کی طرح
ہر دردمند دل کا سہارا بنا دیا

□□

جانِ علیؑ

چہرہ وہی تیور وہی انداز وہی ہے
ہے نام وہی اور وہی خوش لقبی ہے
یہ آخری شہکارِ خدائے ازلی ہے
لے دے کے بس اک مہرِ نبوّت کی کمی ہے
ہر رُخ سے یہ تصویرِ رسولِؐ عربی ہے

اجداد کی ہر فتح کا عنوان لئے ہے
مرگِ ستم و جور کا سامان لئے ہے
جو اُٹھ نہ سکا رن میں وہ طوفان لئے ہے
عبّاسِؑ علمدار کا ارمان لئے ہے
وہ منتقمِ خونِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

ہے سایہ فگن سر پہ پیمبرؐ کی تمنّا
اور پشت پہ ہے فاتحِ خیبر کی تمنّا

بے چین ہے عباسؑ دلاور کی تمنّا
رو کے ہے جوانی شہِ بے پر کی تمنّا
دادیؑ کی دُعا موت کے رستے میں کھڑی ہے

اے جانِ علیؑ وقت کا دم ٹوٹ چکا ہے
باطل نظریوں کا صنم ٹوٹ چکا ہے
انسان کی طاقت کا بھرم ٹوٹ چکا ہے
دُنیا کے طبیبوں کا قلم ٹوٹ چکا ہے
اب سارے مسائل کی دوا تیغِ علیؑ ہے

□□

خالی ڈبّوں میں بجز خونِ ہوا کچھ بھی نہیں
چھو کے دیکھا تو لباسوں کے سوا کچھ بھی نہیں

ولیِ عصرؑ

ولیِ عصرؑ بھی ہیں بزمِ روزگار بھی ہے
زمین بھی ہے سلامت، زمیندار بھی ہے

یہی ہے درد بھی، دل کا یہی قرار بھی ہے
عجیب چیز محبت میں انتظار بھی ہے

چھپے گا ظلم کہاں تک یہ ہم بھی دیکھیں گے
گواہی دینے کو ہاتھوں میں ذوالفقار بھی ہے

تمھارے چاہنے والوں میں اے بتولؑ کے لال
رسولؐ بھی ہیں، علیؑ بھی ہیں، کردگار بھی ہے

حجاب میں ہے مگر سب کا تاجدار بھی ہے
غریبِ شہر بھی ہے اور شہریار بھی ہے

پیام دیکھیں گے ہم بھی غرورِ ظلم و ستم!
کہ وہ بھی ہیں اسی دُنیا میں ذوالفقار بھی ہے

پیغامِ عمل

بیداد کا ہے شوق تو بیداد کیجئے
جو کر رہے تھے آپ کے اجداد، کیجئے

خیبر سے پوچھ لیجیے بزرگوں کی داستاں
ان پچھلے تجربوں کو ذرا یاد کیجیے

اک ضربِ لاالٰہ کا ممکن نہیں جواب
حربے ہزار جنگ کے ایجاد کیجئے

گونجی ہوئی ہے نعرۂ تکبیر کی صدا
اب جا کے سیرِ کوفہ و بغداد کیجئے

اب پچھلی تہمتوں میں اثر کچھ نہیں رہا
الزام تازہ پھر کوئی ایجاد کیجئے

چُپ رہ کے کیوں حمایتِ بیداد کیجئے
ممکن نہیں ہے کچھ اور، تو فریاد کیجئے

اشکِ غمِ حسینؑ کو دے کر عمل کی روح
پانی کی بُوند بوند کو فولاد کیجئے

بچّوں کو رکھ کے دین کی تعلیم سے الگ
کمزور اپنے گھر کی نہ بُنیاد کیجئے

ممکن ہے پھر خرابوں کی تقدیر جاگ اُٹھے
پہلے خدا کے گھر کو تو آباد کیجئے

دے کر رہِ حیات کو سجدوں کی روشنی
ظلمات میں حفاظتِ اولاد کیجئے

خود ساختہ فسانوں پہ یوں کر کے واہ واہ
لِلّٰہ جاہلوں کی نہ امداد کیجئے

□□

ہم کو روکو نہ کہ میثم[4] نے بتایا ہے ہمیں
اک جگہ اور بھی مدحت کی ہے منبر کے سوا

دُعائیہ
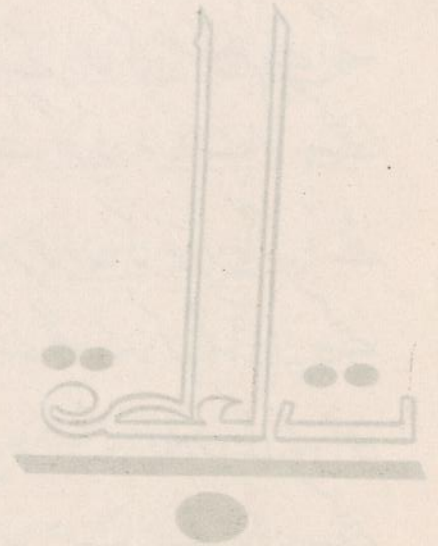
فکرِ پاکیزہ خیالاتِ جواں دے یارب
اور نکھرا ہوا اندازِ بیاں دے یارب
تیرے ممدوح کی مدحت کیلئے اٹھا ہوں
دل فرزدق کا تو میثم کی زباں دے یارب

بارگاہِ رسالتؐ میں

حیات جاگ اُٹھی مشامِ انجمن مہک گیا
وہ گُل کھِلا کہ زندگی کا پیرہن مہک گیا
وہ روم ہے، وہ روس ہو وہ چین ہو یہ ہند ہو
عرب کے ایک پھول سے چمن چمن مہک گیا

O

دل بھی روشن ہے جاں بھی روشن ہے
وہی جلوہ یہاں بھی روشن ہے
اے مدینہ! چراغ سے تیرے
اپنا ہندوستان بھی روشن ہے

O

فرقِ اقدس پر تیرے سو عظمتوں کا تاج ہے
ہر بلندی اب بھی تیرے سامنے محتاج ہے
ایک شب کا ذکر کیا اے جانے والے عرش پر
تیری پوری زندگی معراج ہی معراج ہے

O

بھر کے افسانۂ تخلیق میں کردار کا رنگ
پیکرِ خاک کو انسان بنایا تو نے
سیکڑوں سال کے بھٹکے ہوئے انسانوں کو
بوذر و میثم و سلمان بنایا تو نے

O

سرِ باطل کو جھکایا ہے محبت کر کے
دی شفا رُوح کو دشمن کی عیادت کر کے
مرکزِ دینِ خدا بن گئی مکّے کی زمیں
بے وطن کر دیا خود کفر کو، ہجرت کر کے

O

شانِ اعجاز زمانے کو دکھائی تو نے
جیت لی حق و صداقت کی لڑائی تو نے
دی ہے ہر موڑ پہ کفّار کے لشکر کو شکست
اور ہاتھوں میں نہ تلوار اُٹھائی تو نے

O

اب تو ہر ملک میں عورت کا ادب ہوتا ہے
اب تو ہر قوم مساوات کے گُن گاتی ہے
وقت نے خود ہی دیا تیری صداقت کا ثبوت
ساری دُنیا تری تعلیم کو دُہراتی ہے

سرکارِ ولایت میں

عقدۂ عقل و خیالاتِ بشر کھول دیئے
ہر طرف سلسلۂ فکر و نظر کھول دیئے
بابِ خیبر کی طرح خانۂ داور کی طرح
تو نے ہر ذہن کی دیوار کے دَر کھول دیئے

O

ظلمتِ کفر اُٹھی لاکھ مگر چھا نہ سکی
حق کی تنویر کسی حال میں کجلا نہ سکی
ڈالا قرآن پہ تاویل کا پردہ لیکن
تو وہ آیت ہے کہ دُنیا جسے جھٹلا نہ سکی

O

بے رنگ تھا حیات کا نقشہ ترے بغیر
خاموش تھا رسُول ہمارا ترے بغیر
اے قلبِ مصطفےٰ کی تمنّا خوش آمدید
صدیوں سے بے قرار تھا کعبہ ترے بغیر

○

یہ اتنی حسین راہگذر تیرے لیے ہے
آ جلد کہ دیوار میں در تیرے لیے ہے
ممکن ہے صدا آئی ہو آمد پہ علیؑ کی
میں تیرے لئے ہوں مرا گھر تیرے لیے ہے

○

سینۂ کوہ پہ بھی راہ گذر بنتی ہے
موجِ طوفاں بھی تحریکِ سفر بنتی ہے
حق بہر طور نہیں روکے سے رکتا غافل
گر ہو در بند تو دیوار ہی در بنتی ہے

○

نفس کے ماحول میں پاکیزگی کی زندگی
اے فرشتو آ کے دیکھو آدمی کی زندگی
کہدو دُنیا کے مذاہب سے کہ دیں اسکا جواب
معجزہ ہے میرے مذہب کا علیؑ کی زندگی

○

لو بُرجِ شرف میں ماہِ تاباں آیا
یا بطنِ صدف میں دُرِ غلطاں آیا
حاضر ہیں رسُول میزبانی کے لئے
کعبہ میں وہ اللہ کا مہماں آیا

○

دل میرا جام ہے دل ہی میرا پیمانہ ہے
جس جگہ بیٹھ کے پی لوں وہی میخانہ ہے
ڈینگ کعبہ کے تقدس کی نہ لے شیخ بہت
وہ تو ہم رندوں کے ساقی کا زچہ خانہ ہے

○

عشق کا جام بنے، حسن کا پیمانہ بنے
ساری دنیا جسے دہرائے وہ افسانہ بنے
قبلہ بننا ہے تو ہو قبلہ نما سے رشتہ
کہہ دو کعبے سے کہ حیدرؑ کا زچہ خانہ بنے

○

کسی چمن میں بھی پہونچے گلاب بنکے رہے
رہے جہاں بھی جلالت مآب بن کے رہے
بلندیاں کہیں چھپتی ہیں خاکساری سے
زمین پر بھی علیؑ بوتراب بن کے رہے

○

سر مرحب و عنتر کا قلم کون کرے گا
اونچا تیری رحمت کا علم کون کرے گا
دے دے کسی بندے کو ید اللہ کا منصب
ورنہ تیرے بندوں پہ کرم کون کرے گا

○

کہیں ہے مہرِ ضوفشاں، کہیں مہِ تمام ہے
کہ بزمِ نور میں کوئی نبی، کوئی امام ہے
وہ راستے دکھا گئے یہ منزلیں بتا گئے
وہ مصطفےٰؐ کا کام تھا یہ مرتضیٰؑ کا کام ہے

○

کعبہ کی ضیا عرش کی زینت تو ہے
دے نطق جو قرآں کو وہ آیت تو ہے
ہوتا ہے امامت کا جہاں سے آغاز
وہ نقطۂ تکمیلِ نبوت تو ہے

○

کی ہے انسانوں کے ہر طبقہ کی تونے رہبری
آئینہ بن کر خدا کے آخری پیغام کا
فلسفی بھی محوِ حیرت منطقی بھی لاجواب
ذات تیری معجزہ ہے مذہبِ اسلام کا

○

بہرِ تصدیقِ پیمبر دوسرا کوئی نہ تھا
حق تو تھا موجود لیکن حق نما کوئی نہ تھا
کیسے آتی وحیِ خالق، کیسے ہوتی حق کی بات
شہر تھا موجود لیکن راستا کوئی نہ تھا

○

امانت دارِ آیاتِ جلی کہنا ہی پڑتا ہے
پیمبر کا وصی حق کا ولی کہنا ہی پڑتا ہے
بجا ہے آپ کا ارشاد لیکن حضرتِ ناصح!
جو لگ جاتی ہے ٹھوکر یا علیؑ کہنا ہی پڑتا ہے

○

یہ آبروئے فکر و نظر کا سوال ہے
دکھتا ہے دل کسی کا تمہارا خیال ہے
کہتے ہو اس کا ذکر نہ ہم برملا کریں
کیا حبِّ اہلبیتؑ بھی چوری کا مال ہے

○

روحِ اسلام بھی ہیں صرف مسلمان نہیں
جانِ قرآں ہیں، فقط قاریِ قرآن نہیں
اس طرح شیرِ الٰہی کی فضیلت نہ گھٹاؤ
کُلِّ ایماں ہیں علیؑ سابق الایمان نہیں

ایک بند

میرا اسکول نہ دلّی نہ اودھ ہے نہ دکن
ہے درِ آلِ پیمبر سے مرا رشتۂ فن
سامنے رہتی ہیں کردار کی شمعیں روشن
ہے الگ سارے زمانے سے مرا رشتۂ فن
سانس رکتی ہے تخیل کی نہ لے ٹوٹتی ہے
میرے لکھے ہوئے شعروں سے کرن پھوٹتی ہے

حریمِ عصمت میں

زہراؑ صداقتوں کی بضاعت کا نام ہے
زہراؑ طہارتوں کی علامت کا نام ہے
ذکر آگیا لبوں پہ تو دل کانپنے لگا
زہراؑ خدا کے دین کی عزّت کا نام ہے

○

پارۂ قلب رسولِ دوجہاں ہے زہراؑ
حق کی آواز صداقت کی زباں ہے زہراؑ
دینِ حق کیا ہے اگر شبّرؑ و شبیّرؑ نہ ہوں
مختصر یہ ہے کہ اسلام کی ماں ہے زہراؑ

○

بارِ غم حق کی حمایت میں سنبھالا تو نے
صبر اور شکر میں ہر سانس کو ڈھالا تو نے
حق تو یہ ہے کہ پسِ پردۂ سبطینؑ رسولؐ
چکیاں پیس کے اسلام کو پالا تو نے

○

اے نبیؐ کی لختِ دل، اے رازدانِ بوترابؑ
تیرے دم سے ہے مکمل داستانِ بوترابؑ
جاگتی جاتی ہیں قدریں مذہبِ اسلام کی
تیری چکّی کی صدا ہے یا اذانِ بوترابؑ

○

تیغ نے کب کی اشاعت کبریا کے نام کی
صبر ہے بنیاد حق کے آخری پیغام کی
اے مؤرخ اس کو دربارِ حکومت میں نہ ڈھونڈھ
فاطمہؑ کے گھر ملے گی روشنی اسلام کی

○

اہلِ دولت لیں خبر اپنے دلِ معذور کی
کیوں اُڑاتے ہیں ہنسی اسلام کے دستور کی
اے مسلماں اہلِ محبّت کو حقارت سے نہ دیکھ
دُخترِ سلطانِ دیں زوجہ ہے اک مزدور کی

○

جبّہ سا پھر کسی چوکھٹ پہ ستارہ نہ ہوا
یوں کوئی مرکزِ تطہیر دوبارہ نہ ہوا
آکے ہوجاتی جنازے ہی میں شامل دُنیا
تیری عصمت کو تو اتنا بھی گوارہ نہ ہوا

○

عصمت کی فضاؤں میں کوئی نغمہ سرا ہے
تسبیح کی آواز ہے چکّی کی صدا ہے
پیوند ہیں کپڑوں میں تو ہاتھوں میں ہیں چھالے
اللہ! یہ بانوئے شہِ عقدہ کُشا ہے

○

آغوشِ مصطفیٰ کو گلستاں بنا دیا
گھر کو علیؑ کے منزلِ قرآں بنا دیا
ٹھکرا دیا تو قابلِ لعنت ہے آج تک
اپنا لیا تو بُوذرؑ و سلماںؑ بنا دیا

○

راستے اپنے اُجالوں میں بنائے ہوتے
دوسروں کو بھی رہِ راست پہ لائے ہوتے
سب صحابہ تھے ستارے، تو ستارے کی طرح
درِ معصومۂ کونینؑ پہ آئے ہوتے

○

دربار میں جو زورِ خطابت دکھا دیا
لفظوں نے ذُوالفقار کو پیچھے ہٹا دیا
خطبے نے تیرے کر دیا باطل کو بے نقاب
باغی ہے کون باغِ فدک نے بتا دیا

○○

بحضور حسنؑ مجتبیٰ

جلوہ دکھا کے ضبطِ غمِ پروردگار کا
خاموشیوں میں رنگ بھرا کارزار کا
توڑے ہیں تیری صلح نے باطل کے حوصلے
تو نے قلم سے کام لیا ذوالفقار کا

○

صلح کیا زورِ الٰہی کی طلب گار نہیں
کام کرّار کا ہے منزلِ فرار نہیں
صلح بھی کاٹ دیا کرتی ہے باطل کا گلا
فرق اتنا ہے کہ اس تیغ میں جھنکار نہیں

○

شان نانا کی زمانے کو دکھا دی تو نے
کفر کی راہ میں دیوار اُٹھا دی تو نے
کربلا بن گئی ہوتی یہ مدینے کی زمیں
ظلم کو صلح کی زنجیر پہنا دی تو نے

○

یوں تو کب یورشِ افواجِ ستمگر نہ ہوئی
کم مگر عظمتِ اولادِ پیمبرؐ نہ ہوئی
جس نے روکی تھی سرِ راہ حسنؑ کی میّت
قبر خود اس کو زمانے میں میسّر نہ ہوئی

○

کس طرح ہوتی ہے فوجوں کی صفائی دیکھ لے
لشکروں پر ایک پیاسے کی چڑھائی دیکھ لے
کہتی تھی رن میں تڑپ کر حضرتِ قاسمؑ کی تیغ
صلح دیکھی تھی حسنؑ کی، اب لڑائی دیکھ لے

○○

بحضورِ شہیدِ اعظم

دوشِ رسُولِ پاک کی زینت بڑھا گیا
باطِل کے نقشِ ظلم کے دھبّے مٹا گیا
آیا جو کربلا میں تو دُشمن تھے بے شمار
اُٹھا جو کربلا سے تو عالم پہ چھا گیا

○

مر کے بھی سارے زمانے پہ حکومت ہوگی
معتبر اور بھی نانا کی نبوت ہوگی
آج جن ہاتھوں میں ہے زلفِ پیمبرؐ کی مہار
کل انھیں ہاتھوں میں اسلام کی قسمت ہوگی

○

مانا کہ نمازِ علوی کی خاطر
خورشید سرِ شام پلٹ آیا تھا
لیکن ترے اک سجدے کی اللہ رے کشش
جاتا ہوا اسلام پلٹ آیا تھا

○

روشن کیا جہاں میں صداقت کے نام کو
دے کر شکست ظلم و ستم کے نظام کو
شرما کے خود ہی ہٹ گیا بیٹا یزید کا
اتنا ذلیل تو نے کیا تختِ شام کو

○

نسلوں سے جو بگڑی تھی وہ تقدیر بدل دی
صدیوں میں جو اُبھری تھی وہ تصویر بدل دی
فرزندِ یزید اور حکومت سے ہے بیزار
تو نے اموی خون کی تاثیر بدل دی

○

ہر زخم لافتیٰ کا نیا شاہکار ہے
ہر داغ رو کشِ اسد کردگار ہے
اے ذوالفقار تیری ضرورت نہیں ہے اب
اک اک ادا حسینؑ کی خود ذوالفقار ہے

O

زہراؑ کا نورِ عین اکیلا ہے آج بھی
وہ جانِ مشرقین اکیلا ہے آج بھی
اتنی بلندیوں پہ بھلا کون جا سکے
اپنی جگہ حسینؑ اکیلا ہے آج بھی

O

سوچا تھا لعینوں نے تعمیر بدل دینگے
محبوبِ الٰہی کی تصویر بدل دیں گے
لیکن یہ نہ سمجھے تھے کٹوا کے گلا اپنا
تاریخ کا رُخ اک دن شبیرؑ بدل دینگے

O

روشن ہوئے دماغ نظر جگمگا گئی
جلووں میں رُوحِ حق و صداقت نہا گئی
اللہ رے تیرے سجدۂ آخر کی روشنی
اسلام کی حیات اُجالوں میں آ گئی

O

ندی طہارتوں کی بہا دی حسینؑ نے
کردار کی سبیل چلا دی حسینؑ نے
جلتی ہوئی زمیں پہ خود رہ کے تشنہ کام
انسانیت کی پیاس بجھا دی حسینؑ نے

O

زندگی اسلام نے پائی تیرے افکار سے
فاتحِ اعظم ہے تو ہر رُخ سے ہر معیار سے
بچ گئے تیغِ علیؑ سے جو برائے مصلحت
وہ بھی آخر کٹ گئے تیرے لہو کی دھار سے

O

حسینؑ اور یزید میں تفاوتِ دوام ہے
وہ عظمتوں کی صبح ہے یہ پستیوں کی شام ہے
یزیدؔ ایک لمحۂ شکستِ ظلم و جور تھا
حسینؑ ہر صدی کے دل کی دھڑکنوں کا نام ہے

O

ڈھل گئیں نظریں ضمیروں کی طہارت ہو گئی
کس قدر روشن جبینِ آدمیت ہو گئی
اے حسینی خون تیرے پاک قطروں پر فدا
پاک ہر دھبے سے تصویرِ رسالت ہو گئی

O

ہر درد چارہ سازیٔ تقدیر بن گیا
ہر زخم خود سکون کی تاثیر بن گیا
مومن کا دل ہلا نہ سکے انقلابِ دہر
جو غم پڑا وہی غمِ شبیرؑ بن گیا

O

نظروں میں مصطفیٰ کی زہراؑ کا لاڈلا ہے
ٹھہری ہوئی لبوں پہ توصیفِ کبریا ہے
منبر سے کیوں نہ اتریں شبیرؑ کو اٹھانے
خطبہ نہ کیسے چھوڑیں قرآن گر پڑا ہے

O

پتھر کو دل کی طرح دھڑکنا سکھا گئی
تعمیرِ ظلم و جور کی بنیاد ڈھا گئی
سارا غرورِ خنجر و شمشیر توڑ کر
مظلومیتِ حسینؑ کی دنیا پہ چھا گئی

O

نکلا جو تیرِ ظلم ستم کی کمان سے
اٹھا علیؑ کا لال پیمبرؐ کی شان سے
نوکِ سناں پہ کرکے تلاوت بتا دیا
قرآن بولتا ہے ہماری زبان سے

O

وہ غم دیا کہ جاگ اُٹھا زندگی کا دل
پتھر کو درد دے کے کیا آدمی کا دل
اک لمحۂ عظیم کی اللہ رے برکتیں
دھڑکا دیا حسینؑ نے ہر ہر صدی کا دل

قطعہ

گر ملّتِ بے دین بھی ہو جائے منظّم
مضبُوط زمانے میں چٹانوں کی طرح ہے
ہو قومِ مسلماں بھی جو تنظیم سے محروم
ٹوٹی ہوئی تسبیح کے دانوں کی طرح ہے

بحضُورِ علمدارِ کربلا

کون دے گا جان سبطِ مصطفیٰ کے واسطے
مرحلہ تھا یہ علیؑ مرتضیٰ کے واسطے
رکھ لیا امُّ البنین کے لال نے حیدرؑ کا دل
بن گیا مشکل کُشا، مشکل کشا کے واسطے

جھنڈا گڑا ہوا ہے دلِ کائنات پر
احسان اس کا اب بھی ہے ہر ذی حیات پر
پانی نہ پھر کسی پہ کوئی بند کر سکا
قبضہ کیا ہے شیر نے جب سے فرات پر

کیا ہے یہ اگر عزم کی معراج نہیں ہے
ہاں خیریتِ ظلم و جفا آج نہیں ہے
سنتے ہیں کہ بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی
عباسؑ تو ہاتھوں کا بھی محتاج نہیں ہے

○

دیکھے تو کوئی ہیبتِ عباسِؑ دلاور
خود وقت شجاعت کا علم کھول رہا ہے
اک لمحہ کو تلوار اُٹھالی تھی سرِ نہر
چودہ سو برس بعد بھی رن بول رہا ہے

ساکنِ غیبت کے حضور میں

جانِ بدر و حنین باقی ہے
قلبِ زہرا کا چین باقی ہے
کہہ دو اس دور کے یزیدوں سے
آج بھی اک حسینؑ باقی ہے

○

ابرِ غیبت کا آفتاب ہے تو
دینِ اسلام کا شباب ہے تو
کہہ رہا ہے یہ خود زمیں کا وجود
عہدِ حاضر کا بوترابؑ ہے تو

○

ہر پیمبر کا مُدّعا تو ہے
قلبِ زہراؑ کا آسرا تو ہے
ابتدا تھے محمدؐ عربی
اور عظمت کی انتہا تو ہے

○

زیست کو استوار کرتا ہوں
رُوح کو پُربہار کرتا ہوں
اک عبادت ہے زندگی میری
میں ترا انتظار کرتا ہوں

○

روشنی کر رہا ہے راہوں میں
داغِ دل ہو کے ضوفشاں اپنا
دل کا دَروازہ کیسے بند کروں
آ رہا ہو گا میہماں اپنا

○

یوں ہی نقشِ وفا اُبھارا ہے
راستہ زیست کا سنوارا ہے
غم کا موقع ہو یا خوشی کا مقام
تم کو ہر موڑ پر پُکارا ہے

○

منزلِ انتشار ہے دُنیا
مضطر و بے قرار ہے دُنیا
تیری قائل نہ ہو زبان تو کیا
ہمہ تن انتظار ہے دُنیا

○

لے کے آؤ گے ذُوالفقارِ خُدا
شاہِ بدر و حنین کی صُورت
آج خاموش ہو حسنؑ کی طرح
کل اُٹھو گے حُسینؑ کی صُورت

○

حقیقتوں کا وہی اہتمام آج بھی ہے
ہدایتوں کا وہی فیضِ عام آج بھی ہے
پتہ نہیں ہے خلافت کے دعویداروں کا
مگر جہاں میں وجودِ امام آج بھی ہے

○

رند آئے ہیں وفا کے بادہ خانے کھول دو
ذہن مفلس ہیں محبت کے خزانے کھول دو
حُر کے لشکر کی طرح اے ساقیٔ کوثر کے لال
آج سب پیاسے ہیں مشکوں کے دہانے کھول دو

○

جناب شیخ کی پرچھائیوں میں بیٹھے ہیں
نکل کے بزم سے تنہائیوں میں بیٹھے ہیں
اُنھیں بھی توڑ دو اے بُت شکن کے قلب و جگر
وہ بُت جو رُوح کی گہرائیوں میں بیٹھے ہیں

○

ہر کس و ناکس سے اقرارِ امامت لیجیے
اپنے ہاتھوں میں زمامِ آدمیت لیجیے
ہر پیمبر کی طرف سے کر رہے ہیں انتظار
حضرتِ عیسیٰؑ سے بھی اجرِ رسالت لیجیے

○

خیبر و خندق سے پھر دادِ شجاعت لیجیے
صبر و استقلال سے نذرِ عقیدت لیجیے
مِٹ چکا دُنیا سے بیعت مانگنے والوں کا نام
اب تو خود دُنیا سے آکر اپنی بیعت لیجیے

○

پھر ضرورت ہے کوئی حاصلِ ایماں آجائے
حاصلِ کون و مکاں نازشِ دوراں آجائے
لوگ قرآں کی خموشی کو بنائے ہیں مذاق
کاش ایسے میں کوئی بولتا قرآں آجائے

○

فضا مہکتی ہے کوئی گلاب بھی ہو گا
اندھیرے ہیں تو کہیں آفتاب بھی ہو گا
دلیلِ حضرتِ حجّتؑ ہے خود زمیں کا وجود
تُراب ہے تو کوئی بُو ترابؑ بھی ہو گا

○

عقل تولی جا رہی ہے جہل کے معیار پر
رقص کرتا ہے تمدّن کفر کی جھنکار پر
صبر کے ہاتھوں میں کب تک چپ رہیگی ذوالفقار
ناز دُنیا کر رہی ہے ایٹمی ہتھیار پر

□□

نوائے غدیر

بزمِ ہستی میں جلالِ کبریائی ہے غدیر
بہرِ امّت امرِ حق کی رونمائی ہے غدیر
اے مسلماں دیکھ یہ دولت کہیں گُم ہو نہ جائے
مصطفیٰ کی زندگی بھر کی کمائی ہے غدیر

○

دامنِ تاریخِ انسانی کی دولت ہے غدیر
بیکسوں کی شان، کمزوروں کی طاقت ہے غدیر
اک ذرا سا ذکر آیا اور چہرے فق ہوئے
دُشمنوں کے واسطے روزِ قیامت ہے غدیر

○

عظمتِ دینِ الٰہی کا منارہ ہے غدیر
دوپہر میں جو تھا روشن وہ ستارہ ہے غدیر
تھام کر بازوئے حیدرؑ مصطفےٰؐ بتلا گئے
ایک کیا سارے رسولوں کا سہارا ہے غدیر

پیچ و خم کوئی نہ کھائی ہو نہ کھانچہ ہے غدیر
جس میں ڈھلتی ہے صداقت ایسا سانچہ ہے غدیر
پھر گیا رُخ دشمنانِ مذہبِ اسلام کا
کفر کے رُخسار پر حق کا طمانچہ ہے غدیر

منزلِ تکمیلِ دینِ کبریا کی عید ہے
نقطۂ معراجِ کارِ انبیا کی عید ہے
آدمی کیا عترت و قرآن ملتے ہیں گلے
عید سب بندوں کی یہ دینِ خدا کی عید ہے

شبِ نور

الٰہ آباد میں یومِ ولادتِ حضرت حجۃؑ کے موقع پر سرکار علامہ جوادی کے زیرِ اہتمام ہونے والی مشہور و معروف اور تاریخ ساز محفل "شبِ نور" کے لئے لکھے گئے قطعات

ہاں مانتا ہوں آج ہر انساں کی زندگی
ظلمت میں غرق ہے شبِ دیجور کی طرح
لیکن نکل کے آئے گا جب فاطمہؑ کا چاند
ہر رات جاگ اُٹھے گی شبِ نور کی طرح

(۲)

ہم لوگ غلامانِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہیں
ظلمات کا دل چیر کے ڈھالیں گے شبِ نور
اشکِ غمِ سرورؑ کے دیئے ساتھ ہیں جب تک
جس شب کو بھی چاہیں گے بنالیں گے شبِ نور

(۳)

ناکام ہیں کتنے یہ اندھیروں کے مُسافر
راہوں میں کہیں جلوہ گرِ طور نہیں ہے
جن لوگوں کے دل اُلفتِ مولاؑ سے ہیں خالی
ان لوگوں کی قسمت میں شبِ نور نہیں ہے

(۴)

زور دادا کا زمانے کو دکھا دو مولا
ظُلم اور جور کی بُنیاد ہلا دو مولا
حُر کی قسمت کی طرح جون کے چہرے کی طرح
شبِ ظلمت کو شبِ نُور بنا دو مولا

(۵)

اور ہیں وہ جو بُجھا کر غمِ مولا کا دیا
صبح کو بھی شبِ دیجور بنا لیتے ہیں
ہم جلا کر غمِ شبیرؑ میں اشکوں کے چراغ
شبِ ظلمت کو شبِ نُور بنا لیتے ہیں

(۶)

ہر رات کو اک جلوہ گرِ طُور بنا دو
سب کے دلِ مغموم کو مسرور بنا دو
لو آ کے قصاصِ اکبرؑ و عباسؑ کے خوں کا
دادی کی شبِ غم کو شبِ نور بنا دو

(۷)

ہر غم کے اندھیرے کو بنائیں گے شبِ نور
ہر رات کے آنگن میں سجائیں گے شبِ نور
جس دن رُخِ روشن سے ہٹا دیں گے وہ پردہ
ہم کیا ہیں فرشتے بھی منائیں گے شبِ نور

(۸)

روزوں میں عبادت کا مزا بڑھ گیا کچھ اور
تاخیر بھی اب کے سبب فخر بنی ہے
رمضان میں ہے نیمۂ شعبان کا جلوہ
اس سال شبِ نور شبِ قدر بنی ہے [1]

[1] ایک بار شبِ نور کا انعقاد نامساعد حالات کے پیشِ نظر شعبان کے بجائے رمضان میں ہوا۔

صاحبِ جذبۂ بیدار نہیں مر سکتے
جسم مر جاتے ہیں کردار نہیں مر سکتے

تعزیتی نظمیں

شہیدِ خامس آقائے باقر الصدرؒ

شانِ مِلّت کے فقیہوں کی بڑھانے والے
جُراُتِ میثمِ تمّار دِکھانے والے
کربلا قوم کو پھر یاد دلانے والے
دار پہ چڑھ کے یہ آواز اُٹھانے والے
کسی سلطاں کی یہ دُنیا نہ کسی شاہ کی ہے
سارے عالم پہ حکومت فقط اللہ کی ہے
کر دیا وقت کے طاغوت کو ششدر تو نے
دے دیا فطرتِ افکار کو شہپر تو نے
یعنی چھلکا دیا جب علم کا ساغر تو نے
بھر دیا ذہن کے کوزوں میں سمندر تو نے
لوگ مدہوش تھے ڈھالے ہوئے افسانوں میں
دی اذاں تو نے سیاست کے صنم خانوں میں

جنبشِ خامہ تری کفر کو پیغامِ اجل
تیرے افکار سے باطل کی صفوں میں ہلچل
دے گی لو حشر تلک تیرے قلم کی مشعل
روشنائی تری خونِ شہدا سے افضل
کلمہ پڑھوایا ہے اربابِ ستم سے تو نے
کام تیغوں کا لیا نوکِ قلم سے تو نے

مرکزِ انجمنِ امر و نواہی تھا تو
ساکنِ پردۂ غیبت کا سپاہی تھا تو
دین کی زندہ و تابندہ گواہی تھا تو
یعنی منجملۂ آیاتِ الٰہی تھا تو
تاجِ عظمت تھا پئے قوم عمامہ تیرا
شمع کی طرح سے ضوبار تھا خامہ تیرا

تو نے بتلایا کہ سرمایہ و محنت کیا ہے
مادیت کی زمانے میں حقیقت کیا ہے
جو کہ تاریخ بتاتی ہے وہ قوت کیا ہے
دل جو مردہ ہوں تو پھر علم کی قیمت کیا ہے

منطقِ افکارِ پراگندہ کی غمازی ہے
فلسفہ صرف دماغوں کی قلابازی ہے

شیشۂ نخوتِ ایران و عجم توڑ دیا
اشتراکیت و دولت کا صنم توڑ دیا
تیری تحریر نے ہیگل کا بھرم توڑ دیا
سارے باطل نظریات نے دم توڑ دیا
زندگی قوم کی تھی پشت پناہی تیری
روشنی دے گئی ذہنوں کو سیاہی تیری

تو نے دنیا کو بتایا سببِ امن و سکون
یعنی رائج ہو زمانے میں خدا کا قانون
اشتمالیت انساں کا تصور ہے جنون
مارکس نے خود ہی زمانے کو کھلادی افیون
فکر بے دیں ہو تو الفاظ نہیں نشتر ہیں
ان کتابوں سے تو پتھر کے صنم بہتر ہیں

آہ! اب کون ہمیں شعلہ فشانی دے گا
کون قطروں کو سمندر کی روانی دے گا

کون الفاظ کو سیلاب معانی دے گا
کون اس تشنہ دہن قوم کو پانی دے گا

ظالمو! رُوحِ یزیدی کو اُبھارا تم نے
آدمی کو نہیں اک عہد کو مارا تم نے

گھر سے نکلا تھا غریبانِ وطن کی صُورت
رکھ کے کاندھے پہ عبا اپنی کفن کی صُورت
آگئی یاد اسیرانِ محن کی صُورت
وقت نے دیکھ لی پھر بھائی بہن کی صُورت

سر دیا راہِ خدا میں شہ بے پر کی طرح
اور بہن ساتھ میں تھی زینبِ مضطر کی طرح

تا ابد آئے گی اب خاکِ نجف سے یہ صدا
باقر الصدر کہ تھا صدر نشینِ فقہا
خون میں ڈوب گئے کی اہلِ جہالت سے وغا
ساتھ میں قتل ہوئیں سیدہ بنتِ ہدیٰ

کی جو بیعت طلبی نخوتِ دارائی نے
کام امت کا کیا مل کے بہن بھائی نے

□□ (سنہ ۱۹۸۱ء)

نظمِ تعزیت بیادِ ظفر الملّت

عِلم ہی دیتا ہے انسان کو پیغامِ عمل
بادۂ عِلم طلب گار پئے جامِ عمل
عِلم کی تیغ سے ضَو بار در و بامِ عمل
علم آغازِ عمل، خلد ہے انجامِ عمل

پہلے حق دولتِ کردار عطا کرتا ہے
تب کہیں علم کی دستار عطا کرتا ہے

موت کے بعد بھی مِٹتا نہیں عالم کا وقار
ظفر الملّت عالی گہر و خوش گفتار
پیکرِ علم و عمل زہد و تقا کا معیار
اہلِ ایماں کے لیے اک شجرِ سایہ دار

فکر پاکیزہ برستا ہوا پانی جیسے
طبع موزوں تھی کہ گنگا کی روانی جیسے

اس کی محفل میں محبّت کو زباں ملتی تھی
فکر کو جرأتِ اظہار و بیاں ملتی تھی
وہ محبّت کی نظر اور کہاں ملتی تھی
تیرے سائے میں سخنور کو اماں ملتی تھی
ہر گھڑی عترت و قرآں پہ نظر رکھتا تھا
دل تھا شاعر کا سپاہی کا جگر رکھتا تھا

ہے جوادیّہ تیرے حُسنِ عمل کا مظہر
ایک اک ذرّے میں شامل ہے ترا خونِ جگر
علم پایا تھا درِ علمِ نبیؐ پر جا کر
جس سے کھلتے رہے عرفان و یقیں کے گُلِ تر
شمعِ ایماں کی ضیا سوئے ہدف آنے لگی
خاکِ کاشی سے بھی خوشبوئے نجف آنے لگی

پیکرِ علم میں کرداروں کو ڈھالا تو نے
ایک کیا کتنے اداروں کو سنبھالا تو نے
کتنے اوقاف کو طوفاں سے نکالا تو نے
مثلِ اولاد "جوادیّہ" کو پالا تو نے

علم و تعلیم و تعلّم کا سہارا تھا تو
ہر ادارے کی قسم خود اک ادارہ تھا تو

وجہِ تسکین تھی ہنستی ہوئی صُورت تیری
نازشِ شعر و ادب فکر و طبیعت تیری
مدرسوں کے لیے انعامِ محبّت تیری
فخرِ تنظیمِ مکاتب تھی صدارت تیری
مکتبوں کے لئے اک شمعِ منوّر تھا تو
اس ادارے میں بھی بُنیاد کا پتھر تھا تو

پھول برساتی رہی فکرِ گہر ساز تری
طبعِ نحوی و خمینی بھی تھی ہمراز تری
دیکھی منبر پہ عجب قوّتِ پرواز تری
اُف وہ جذبات میں ڈوبی ہوئی آواز تری
تھی وہ ابلاغ کی قوّت تری گویائی میں
جاتی تھی تیری صدا رُوح کی گہرائی میں

مسجدیں نوحہ کناں ہیں مرا معمار گیا
مجلسیں سوگ میں ہیں ذاکرِ سرکار گیا

مدرسے نالہ بلب ہیں کہ نگہدار گیا
محفلِ شعر میں سنّاٹا ہے فنکار گیا
چُپ ہے محرابِ عبادت کہ مصلّی نہ رہا
اور اوقاف پریشاں متولّی نہ رہا

بھولتا ہی نہیں ہنستا ہوا چہرا تیرا
یک بیک اُف وہ بھری بزم سے جانا تیرا
ہاتھ ملتا رہا ہر چاہنے والا تیرا
تیری ہی شان سے اُٹھا تھا جنازہ تیرا
جو شبِ غم میں بھی انوارِ سحر تک لایا
چاہنے والوں کو اللہ کے گھر[1] تک لایا

دمِ رُخصت غمِ مولا نے سنبھالا ہو گا
ہاتھ میں خطبۂ[2] حیدر کا قبالا ہو گا
سامنے کوثر و تسنیم کا پیالا ہو گا
علم و عرفان کا مرقد میں اُجالا ہو گا

ہاتھ تھامیں گے علیؑ عقدہ کشائی کیلئے
فاطمہؑ آئیں گی خود راہ نمائی کیلئے

□□

[1] سرکار موصوف مسجد سے متصل دفن ہوئے
[2] حضرت علیؑ کے بے الف خطبے کا بے الف ترجمہ اردو میں جو سرکار موصوف کا شاہکار ہے

باقیِ تنظیم

بانیِ تنظیم اعلیٰ اللہ مقامہٗ کی
مجلسِ چہلم میں پڑھی جانے والے
مسدس سے اقتباس۔

وہ مردِ حُر کہ عزم کا پیکر کہیں جسے
تنہا وہ ایک ذات کہ لشکر کہیں جسے
تحریکِ علمِ دیں کا مُقدّر کہیں جسے
اس بیسویں صدی کا ابُوذر کہیں جسے
کیسا دھنی تھا اپنے قلم اور زبان کا
المختصر خمینی تھا ہندوستان کا

خوابِ گراں سے قوم کو بیدار کر دیا
رستے کی اُونچ نیچ کو ہموار کر دیا
کانٹوں کو پھُول، پھُول کو تلوار کر دیا
بچّوں کو ایک آہنی دیوار کر دیا
خیبر شکن سے رشتۂ اُلفت کو جوڑ کے
پھینکا ہے اس نے بابِ جہالت کو توڑ کے

شمعِ عمل جلا کے مخالف ہواؤں میں
پھرتا رہا وہ خاک نشیں گاؤں گاؤں میں
صبر و سکوں جو ساتھ لیے تھا جفاؤں میں
لب مسکرا دیئے چبھے کانٹے جو پاؤں میں
ایماں کا نور قوم کے دامن میں بھر دیا
صدیوں کا کام تھا جسے لمحوں میں کر دیا

بڑھ کے سلام دورِ مہ و سال نے کہا
اور مرحبا دکن کے زبوں حال نے کہا
پائندہ باد یوپی کے اقبال نے کہا
خوش آمدید ساحلِ بنگال نے کہا
دیکھا جو کوہِ عزم و عمل جھومنے لگے
کشمیر کے پہاڑ قدم چومنے لگے

جو عہد کر لیا اُسے کر کے دکھا دیا
مذہب کا سارے ملک میں ڈنکا بجا دیا
محراب میں چراغِ عبادت جلا دیا
منبر کو درس گاہِ شریعت بنا دیا

بتلا دیا یہ محفلِ شعر و سخن نہیں
ذکرِ حسینؑ ایک عبادت ہے فن نہیں

محرومیوں کا اپنی نہ شکوہ کبھی کیا
کہتا رہا بشر کا مشیت میں دخل کیا
تھی خالی گود بے خبروں نے یہ کیا کہا
وہ ایک پوری قوم کے بچوں کا باپ تھا
اے طعنہ زن! خدا کی یہ امداد دیکھ لے
جا مکتبوں میں کثرتِ اولاد دیکھ لے

سیکھا تھا اہلِ بیتؑ سے یہ طرزِ انتقام
دیں گالیاں کسی نے تو کہلا دیا سلام
کپڑے کی کوئی فکر نہ کھانے کا اہتمام
ہر لمحہ ایک دھن تھی اسے کام کام کام
تھا اتنا پیار مقصدِ خونِ حسینؑ سے
تا عمر ایک رات بھی سویا نہ چین سے

باقی کوئی گلی تھی نہ چھوڑا کوئی دیار
دریا کیے عبور تو روندے ہیں کوہسار

طوفاں مزاج، کوہ صفت، ابرِ نوبہار
ہر دم رواں دواں، صفتِ موجِ بے قرار
حیراں تھی ایسے عزم کے پیکر پہ موت بھی
المختصر کہ آئی نہ بستر پہ موت بھی

رُخصت ہوا سکونِ دل و جاں لیے ہوئے
اک دائمی حیات کا عنواں لیے ہوئے
تاجِ شہادتِ رہِ عرفاں لیے ہوئے
ہونٹوں پہ اک تبسمِ پنہاں لیے ہوئے
چہرہ بتا رہا تھا دل و جاں کے چین کو
لگتا تھا جیسے دیکھ رہا ہو حسینؑ کو

لیکن گذر گئی ہے جو دل پر نہ پوچھیے
اس ہولناک رات کا منظر نہ پوچھیے
چھوٹا سا وہ پہاڑ پہ اک گھر نہ پوچھیے
سویا تھا قافلے کا مقدّر نہ پوچھیے
سورج کی موت چاند ستاروں کی موت تھی
وہ ایک کی نہیں تھی ہزاروں کی موت تھی

(۱۹۸۵ء)

□□

قطعۂ تاریخِ وفات

ضیاء الملّت مولانا سیّد وصی محمّد صاحب قبلہ طاب ثراہ

ہے قلم سوگ نشیں اور کتابیں ہیں اُداس
اٹھ گیا انجمنِ علم سے وہ خوش طینت
متحرک تھے ہمہ وقت قلم ہو کہ زبان
عمر بھر کرتا رہا دینِ خدا کی نصرت
کھل گیا مکتبِ عرفاں وہ جہاں بیٹھ گیا
خود تھا اک مدرسۂ علم وہ درویش صفت
حکم رضواں کو یہ دے گا وہ "رضیع الظّامی"
آتا ہے میرا محب کھول دے بابِ جنّت

اور اعلانِ نبیؐ ہوگا بہ اندازِ عندبر[2]
مانگ جو مانگنا ہو اپنے قلم کی قیمت

اللہ اللہ وہ طرزِ سخن آرائی کہ بس[3]
کرتا تھا شعروں میں بھی آلِ نبیؐ کی مدحت

ڈھونڈا جب مصرعِ تاریخ تو رضواں نے کہا
صحنِ فردوس میں آئے ہیں ضیاء الملّت

۱۹۸۶ء

---

۱ مرحوم کی مشہور تصنیف
۲ یہ بھی ضیاء الملت مرحوم کی مشہور تصنیف ہے
۳ اس ردیف و قافیہ میں مرحوم کا مشہور قصیدہ

بسلسلۂ وفات

مولانا سیّد محمّد جوّاد صاحب کراروی

والد ماجد علّامہ ذیشان حیدر جوادی

تا ابد جاری رہے گا، ہے یہ فرمانِ ازل
پستیٔ سیرت ہے خود انسان کے حق میں اجل
بے بصیرت آج زندہ ہے نہ باقی ہوگا کل
چلتی پھرتی لاش ہے انسان گر ہے بے عمل

پائے باطل پر جبیں اپنی جھکا کر آدمی
موت سے پہلے ہی مر جاتا ہے اکثر آدمی

مر کے بھی بنتا ہے مومن اعتبارِ زندگی
ہے خزاں کی زد سے باہر لالہ زارِ زندگی
موت کیا چھینے گی ان سے اختیارِ زندگی
پشت پر ہیں جن کی چودہ تاجدارِ زندگی

آکے سجدے عشق کی چوکھٹ پہ کر جاتی ہی موت
اہلِ حق سے لے کے ٹکر خود ہی مر جاتی ہی موت

دیکھ لے اعجازِ ذکرِ بادشاہِ مشرقین
قبر میں بھی ہے نگہباں فاتحِ بدر و حنین
پاسبانِ زندگی ہے فاطمہؑ کا نورِ عین
ہے ضمانت زندگی کی حشر تک ذکرِ حسینؑ

جو کہ زندہ تھا غمِ شاہِ شہیداں کے لئے
موت اک تہمت ہے اس مردِ مسلماں کے لئے

یوں تو ہر شے کو مٹاتا ہے یہ سیلِ امتداد
ہاں مگر اٹھتا ہے اس دنیا سے جب کوئی جواد
موت کے لب سے بھی آتی ہے صدائے زندہ باد
سونے والا سو رہا ہے جاگتی ہے اسکی یاد

عمر جس نے اپنی کاٹی عشق کی تفسیر میں
ڈھونڈھتی ہے آنکھ اس کو مجلسِ شبیرؑ میں

جانے والے جا تیری پاکیزہ سیرت کو سلام
دستِ شفقت اور آغوشِ محبت کو سلام

تیرے سجدوں کو ترے ذوقِ عبادت کو سلام
اب نہ دیکھیں گے جسے اس پاک صورت کو سلام

مضطرب ہے آج ہر قلبِ حزیں تیرے لئے
سونی سونی ہے کراری کی زمیں تیرے لئے

یاد ہے ہم کو وہ تیری وضعداری یاد ہے
وہ خلوصِ بے ریا وہ انکساری یاد ہے
موت کے بستر پہ بھی طاعت گذاری یاد ہے
بہر تسبیحِ خدا شب زندہ داری یاد ہے

شفقتوں کا لے کے تحفہ دل میں ارمانوں کے ساتھ
آ کے ملنا خندہ پیشانی سے مہمانوں کے ساتھ

یوں تھا راہِ زیست میں تیرا وجود باوقار
چلچلاتی دھوپ میں ہو جیسے نخلِ سایہ دار
چہرے پر سنجیدگی لب پر ہنسی آنکھوں میں پیار
حوصلوں میں بے کرانی گفتگو میں اختصار

زندگی گھٹتی رہی لو پیار کی بڑھتی رہی
بجھ رہی تھی شمع لیکن روشنی بڑھتی رہی

ذاکرِ آلِ محمدؐ شاعرِ آلِ رسولؐ
عمر بھر تیرے لبِ مدحت نے برسائے ہیں پھول
بے نیازِ نام و شہرت تھے ترے فن کے اصول
داد دیں گی خلد میں تیرے قصیدوں کی بتولؑ

شعر کہتا تھا سکونِ قلب و جاں کے واسطے
تو کہ اک تمثیل تھا ہر مدح خواں کے واسطے

بابِ مسجد پر ملی ہے دائمی آرام گاہ
خانۂ حق بن گیا ہے تیرے ایماں کا گواہ
زندگی میں بھی دیا تھا تو نے درسِ لا الٰہ
اور اب تربت تری دکھلائے گی سجدوں کی راہ

خانۂ معبود سے رشتہ ترا ٹوٹا نہیں
مر کے بھی حسنِ عمل کا سلسلہ ٹوٹا نہیں

محفلِ ہستی میں آیا لے کے ذوقِ بندگی
تیری پیدائش کے دن بنیادِ مسجد کی پڑی
اور کٹی تزئینِ بام و در میں ساری زندگی
یا ہے سجدوں سے عبادت زندگی بھی موت بھی

کتنی روشن جذبۂ بیدار کی تاریخ ہے
مسجدِ جامع ترے کردار کی تاریخ ہے

تیرا بیٹا تیرے حسنِ تربیت کا آئینہ
عالمِ دینِ پیمبرؐ صاحبِ صدق و صفا
ذات جس کی آج ہے محراب و منبر کی ضیا
ہاں کرم دیکھا نگاہوں نے تیری آغوش کا

شانِ ملت کی زمانے میں ترا ذیشان ہے
مرنے والے تیرا پوری قوم پر احسان ہے

وقتِ آخر لب پہ کھانے کا نہ تھا پانی کا نام
پھر بھی تھا شاداب دیکھا ہے ترا چہرہ تمام
مرتے مرتے بھی دیا دنیا کو تو نے یہ پیام
رہ نہیں سکتا کبھی شیدائے عترت تشنہ کام

مطمئن تھا گو کئی دن بے نیازِ آب تھا
بادۂ حبِ علیؑ سے کس قدر سیراب تھا

جا غمِ آلِ نبیؐ تیری نگہبانی کرے
اشکِ غم راہوں میں تیرے جلوہ افشانی کرے

داغ دل تیرا ترے مرقد کو نورانی کرے
نقشِ سجدہ اور روشن تیری پیشانی کرے
مل گئی ہو گی تجھے دارِ بقا کی زندگی
ہو مبارک محفلِ آلِ عباؑ کی زندگی

تیرے بیٹے نے کیا خدمت کا تیری حق ادا
دھوم سے اُٹھا جنازہ شان سے آئی قضا
دو مہینوں سے ہے قائم مجلسوں کا سلسلہ
ہائے وہ اک لاشِ بیکس اور وہ دشتِ بلا

عابدِ مضطر تھا دَورِ گردشِ تقدیر تھا
بے کفن تھا باپ، بیٹا قیدیٔ زنجیر تھا
جل رہا تھا ایک جانب ظلم کے شعلوں میں گھر
اک طرف ماں اور بہنیں خاک پر تھیں ننگے سر
اور روندی جا رہی تھی سامنے لاشِ پدر
دوسرا کوئی اگر ہوتا تو پھٹ جاتا جگر
حسرتِ تدفین دل میں کروٹیں لیتی رہی
پاؤں کی زنجیر دادِ بے کسی دیتی رہی

٭ نظم "مرحوم"، علی اصغر رضا مرحوم کی مجلس چہلم میں پڑھی گئی۔

□□